ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

10

12تا18ربیع الاوّل1430ھ/10تا16مارچ2009ء

اپنے ذہن کو تبدیل کیجئے!

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اسلام کی جو بات آسان ہے اُسے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے، وہیں سے رخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے 'مذہبی' اسلام لوگوں میں بھی یہ کمزوری موجود ہے۔ وہ اسلام، اسلام بہت پکاریں گے، اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہو جائے گی، اس کے لئے کچھ نمائشی کام بھی کر دیں گے، مگر ان سے کہیے کہ یہ اسلام جس کی آپ اس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں۔ آیئے، ذرا اس کے قانون کو ہم آپ خود اپنے اوپر جاری کریں تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دقت ہے اور فی الحال تو اس کو بس رہنے ہی دیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے، اس کو بس طاق پر رکھیے اور دور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کیے جائیں، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجئے۔ یہ ہمارے آج کل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیاداروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں، اس لئے کہ جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائے گا۔

ایمان کی کسوٹی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس شمارے میں

آئینہ

وکلاء تحریک امید کی کرن ii

عظمت مصطفیٰؐ: غیر مسلموں کا اعتراف

رائج نظام کے ساتھ وفاداری کی شرائط

جدا ہو دیں سیاست سے......

شامتِ اعمال ما

کیا ہم کبھی اپنی تاریخ سے......

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ الاعراف

(آیات:80تا84)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝80 اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ
النِّسَآءِ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ۝81 وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ‌ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ۝82
فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ‌ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ۝83 وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝84﴾

”اور (اسی طرح جب ہم نے) لُوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو) اس وقت اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا۔ یعنی خواہش نفسانی پُورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔ تو اُن سے اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور بولے تو یہ بولے کہ ان لوگوں (یعنی لوط اور اُن کے گھر والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ تو ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیا، مگر اُن کی بی بی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو دیکھ لو کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا۔“

یہاں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کا ذکر ہوا۔ یہ تینوں رسول حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ہوئے۔ مگر یہاں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر نہیں ہوا۔ وہ سورۃ الانعام میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں حضرت لوطؑ کا ذکر ہے جو ابراہیمؑ کے ہم عصر تھے اور اُن کے بھتیجے تھے۔ اُن کو بھی اللہ نے رسالت سے سرفراز کیا۔ حضرت لوطؑ بھی عراق کے رہنے والے تھے۔ اور سامی النسل تھے۔ انہوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ بحر مردار (Dead Sea) کے کنارے اُس وقت دو بڑے عظیم شہر آباد تھے سدوم اور عامورہ۔ یہ دونوں بڑے تجارتی مرکز تھے۔ جو تجارتی قافلے ایران اور عراق سے آتے اور فلسطین اور مصر کی طرف جاتے تھے، وہ یہاں سے ہو کر گزرتے تھے۔ تجارتی راستوں کے اعتبار سے یہ علاقہ Cross road تھا۔ یہاں کے لوگ خوش حال اور صاحب ثروت تھے۔ جو لوگ ان شہروں میں آباد تھے، اُن میں ایک خباثت پیدا ہو گئی تھی، جسے Sodemy کہتے ہیں یعنی مردوں کا آپس میں جنسی اختلاط۔ اسی جرم کی پاداش میں وہ عذاب کا نشانہ بنے۔ یہاں حضرت لوطؑ اور اُن کی قوم کا ذکر ہوا۔ حضرت لوطؑ اصلاً تو اس قوم کے فرد نہ تھے، اُن کا تعلق عراق سے تھا، لیکن چونکہ وہ عراق سے یہاں آ کر ان لوگوں میں آباد ہو گئے تھے، لہٰذا یہ لوگ اُن کی قوم کہلائے۔

اور ہم نے بھیجا لوطؑ کو اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم ایک ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں کسی نے بھی نہیں کی۔ یعنی انفرادی طور پر کسی نے یہ فعل کیا ہو تو ہو سکتا ہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا اس فعل کو اجتماعی طور پر کسی قوم نے اپنا لیا اور اپنا شعار بنا لیا ہو۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ تم تو کھلم کھلا اس بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو اور شرمانے کی بجائے اکڑتے ہو۔ بے شک تم شہوت کے ساتھ مردوں کا رخ کرتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر۔ تم تو حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو۔ تم قانون فطرت کے خلاف جا رہے ہو۔ اس پر اُن کی قوم کی طرف سے اور تو کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کہنے لگے، نکالو ان کو اپنی بستی سے۔ یہ بڑے پاک باز لوگ ہیں۔ لوطؑ کی نصیحت کے جواب میں انہوں نے کوئی دلیل پیش نہ کی اور نہ کوئی عذر سامنے لائے بلکہ عداوت کا رویہ اپنایا۔

حضرت لوطؑ کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں، لیکن اُن کی بیوی اس قوم میں سے تھی اور وہ اپنی قوم کے ساتھ ہی ملی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب عذاب آیا تو وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی عذاب کا نشانہ بنی۔ البتہ حضرت لوطؑ تو اپنی بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ اس عذاب کے بارے میں یہاں فرمایا گیا کہ جب آپؑ کے وعظ و نصیحت کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس گھرانے کے لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں، ان کو یہاں سے نکال باہر کرو، تو ہم نے لوطؑ کو اور اُن کے گھر والوں کو نجات دی سوائے اُس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہو گئی۔ اور ہم نے ان پر ایک بارش بھیجی جس میں تیز ہوا اور پتھر تھے۔ پھر زلزلہ آیا اور شہر الٹ گئے۔ چنانچہ یہ دونوں شہر تقریباً معدوم ہو کر Dead sea میں دفن ہو گئے۔ اُن کے آثار ساحل سمندر پر آج بھی موجود ہیں۔ تو دیکھو، مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

چغل خوری کی سزا

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: ”چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔“

تشریح: چغل خوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر دے تو داخلہ ہو سکے گا۔

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینہ

جمہوری طرزِ حکومت میں اگر کوئی سیاسی کھلاڑی یہ دعویٰ کرے کہ اسے اقتدار کی کوئی خواہش نہیں تو یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی تاجر کہے کہ تجارت سے روزگار کمانا اُس کا مقصد نہیں۔ البتہ یہ بات بالکل الگ ہے کہ ایک شخص اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہرچہ بادا باد کا نعرہ لگا کر میدان میں اترے، نہ جائز و ناجائز اور حرام و حلال میں تمیز کرے، نہ کسی قانون کی اسے پرواہ ہو اور نہ اپنے لیے کوئی ضابطۂ اخلاق طے کرے۔ بے اصولی اس کا اصل اصول ہو اور وہ اخلاقی اقدار کو بے رحمی سے پاؤں تلے روندے۔ اپنا مدعا پانے کے لیے انسانیت کے مقام سے گر کر درندگی پر اتر آئے اور ایک دوسرا شخص اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے انتہائی سنجیدہ ہو تو وہ غیر لچکدار رویہ بھی اختیار نہ کرے لیکن خود کو اور اپنی جدوجہد کو قانون اور اخلاقی حدود کا پابند کرے، مثلاً اگر وہ سیاست دان ہے تو نظریہ کی پختگی ہو، قانون کی بالادستی پر یقین رکھے، ملک و ملت کا مفاد عزیز ہو، عہدو پیماں کی پابندی کرے، پھر وہ ان دائروں میں رہتے ہوئے کوئی اصول یا طرزِ عمل بدل لے، تو کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوگا۔ اصول بدلنے کے حوالے سے کسی کو اعتراض پیدا ہو سکتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ جس طرح لچکدار رویے اور مصلحت پسندی میں بڑا باریک فرق ہے اسی طرح اصول پسندی اور ہٹ دھرمی کے درمیان نظر نہ آنے والی لکیر ہوتی ہے' کاش یہ دوسری طرز کا کوئی سیاست دان بھی ہم پیدا کر سکتے۔

بے نظیر بھٹو کی زندگی میں آصف علی زرداری کو سیاسی حوالہ سے صف اوّل میں آنے کا موقع نہ مل سکا لیکن ان کی بیوی کی حادثاتی موت کے بعد صف اوّل میں آنے کے لیے انہیں سنہری موقع ملا اور انہوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جب وہ کھل کھلا کر سیاست کی وادی میں پاؤں رکھ چکے تو اعلیٰ ترین سطح پر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش اُن میں اگر پیدا ہوئی تو اس میں بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ کسی سیاسی کھلاڑی میں یہ خواہش پیدا ہونا بڑی فطری بات ہے۔ کوئی سیاست دان اپنی اس خواہش کی تکمیل کس طرح کرتا ہے، فرق اس کے اس عمل سے واضح ہوگا۔ آصف علی زرداری اقتدار کو اپنی ذات میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ سترھویں ترمیم کی وجہ سے اصل اقتدار و اختیار صدر کی ذات میں جمع ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان کی نگاہ کرسی صدارت پر تھی اور حصول مقصد کے لیے وہ مختلف چالیں چلتے رہے۔ محترمہ کی ہلاکت کے بعد انہوں نے ایک طرف اپنے تعلقات نواز شریف سے مزید بہتر بنائے اور دوسری طرف بیک ڈور چینل سے مشرف کو اپنے تعاون کا یقین دلا کر اپنے راستے کی رکاوٹیں دور کرواتے رہے۔ این آر او محترمہ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ آصف زرداری نے اپنے خلاف تمام کیس جن میں سرے محل اور سوئٹزر لینڈ میں رقوم وغیرہ کے تھے' وہ سب کلیئر کروا لیے۔ مولانا فضل الرحمٰن پانچ سال میں مشرف سے اسمبلی رکنیت کے لیے بی اے کی سند کی شرط ختم نہ کروا سکے۔ آصف علی زرداری کی خواہش پر مشرف نے یہ شرط بھی بیک جنبشِ قلم ختم کر دی۔ اس دوران وہ ظاہری طور پر نواز شریف سے اپنے تعلقات کو مستحکم کرتے گئے۔ انہیں بڑا بھائی کہنا شروع کر دیا، پھر بار بار انہیں دھوکہ دے کر اور بالآخر مشرف سے بھی دھوکہ کر کے انہوں نے کرسی صدارت پر جس طرح قبضہ کیا، وہ سب کے سامنے ہے۔ لیکن سیانے کوے کی طرح اب وہ گندگی میں گرا ہی چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں وہ پاکستان کے مقتدر اعلیٰ بننے کے لیے اگر سیدھا اور صاف ستھرا راستہ اختیار کرتے تو کم از کم پانچ سال تک بڑی آسانی سے حکمرانی کے مزے لوٹ سکتے تھے۔ اگر وہ صدر کی بجائے وزیر اعظم بنتے کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ سترھویں ترمیم ختم کر کے صدر کے اختیارات خود کو منتقل کر لیتے۔ نواز شریف کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اپنے اور بے نظیر کے وعدہ کے مطابق عدلیہ کو 2 نومبر کی حالت میں بحال کر دیتے، نواز شریف ان کی پشت پر ہوتے' وکیل ان کے حق میں نعرے لگا رہے ہوتے' سندھ میں بے نظیر کی ہلاکت کے طفیل وہ پہلے ہی مقبول تھے' پنجاب میں بھی ان کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوتا۔ (باقی صفحہ 17 پر)

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 18 — 12 تا 18 ربیع الاول 1430ھ — 10 تا 16 مارچ 2009ء — شمارہ 10

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا

محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000

فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور-54700

فون: 5869501-03

pubications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک......300 روپے

بیرون پاکستان

انڈیا----------------(2000 روپے)

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر

"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں

چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ابوالعلامعرّی

[بالِ جبریل]

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی — پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اِک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا — شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوانِ تر و تازہ معرّی نے جو دیکھا — کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
اے مرغکِ بیچارہ، ذرا یہ تو بتا تُو — تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو — دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات!
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

اِس نظم کا مرکزی کردار "ابوالعلامعرّی" غیر معمولی دماغی صلاحیت کا مالک تھا۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود بلا کے حافظے کا مالک تھا۔ اُس کا پورا نام ابوالعلا احمد بن عبداللہ بن سلیمان المعرّی تھا۔ معرّہ ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔ وہ 973ء میں پیدا ہوا تھا۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک دفعہ سُن لیتا تھا، دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ چھتیس سال کی عُمر میں بغداد میں آیا۔ اور دو سال کے بعد واپس اپنے قصبے معرّہ میں چلا گیا، اور بقیہ عُمر وہیں گزاری۔ 1057ء میں وفات پائی۔

ابوالعلا اپنے وقت کا بہت بڑا لغوی، نحوی، شاعر، فلسفی، طنز نگار، معلم اخلاق، قنوطی، لاادری، زاہد خشک، تارک الدنیا گزرا ہے۔

ابوالعلا نسلِ انسانی کی تکثیر کو سب سے بڑا جرم تصور کرتا تھا، اسی لیے ساری عُمر مجرد رہا، اور مرتے وقت وصیت کر گیا کہ یہ شعر میری لوحِ مزار پر ثبت کیا جائے:

هٰذا جناه ابی علی   وما جنیت علی احد

لفظی ترجمہ یہ ہے کہ میرا وجود وہ ظلم ہے جو میرے باپ نے مجھ پر کیا، لیکن میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ یعنی میرا وجود وہ غلطی ہے جو میرے باپ نے کی تھی، لیکن میں نے ایسی غلطی کر کے، کسی دوسرے کو مصیبت میں مبتلا نہیں کیا۔ اربابِ نظر اسی ایک شعر سے اُس کی ذہنیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اُس کی تصانیف میں "رسالۃ الغفران" (معافی نامہ) اور "لزومیات" بہت مشہور ہیں۔ رسالۃ "الغفران" میں شاعر نے جاہلیت کے بعض شعراء کو جنت میں مصروفِ مکالمات دکھایا ہے، جن کو اللہ کی طرف سے معافی مل گئی ہے۔

یہ رسالہ شاعر کی طنز نگاری کی بہترین مثال ہے، اور بعض لوگوں کی رائے میں ڈانٹے نے اپنی لافانی کتاب "ڈیوائن کامیڈی" اِسی کتاب کو دیکھ کر لکھی تھی۔

اِن دونوں کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ معرّی ایک دہریہ اور لاادری تھا جو ساری عُمر حیران اور برگشتہ رہا۔ اقبال کو اس کے مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اور نہ ہو سکتی تھی، کیونکہ اقبال عاشقِ رسول ﷺ تھے، اور یہ نابینا راہب اللہ ہی کا منکر تھا۔

انہوں نے اس کا تذکرہ محض اس لیے کیا ہے کہ وہ اپنی قوم کو درسِ قوت و اقتدار دینا چاہتے ہیں، اور معرّی کے اِس قول سے کہ "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات" اُن کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اور اقبال نے یہ نظم اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے لکھی ہے۔

1۔ روایت ہے کہ ابوالعلا گوشت کھانے سے پرہیز کرتا تھا اور محض پھل اور سبزیات ہی پر گزر اوقات کرتا تھا۔

2۔ اُس کے ایک دوست نے ایک دن ابوالعلا کے لیے بڑی چالاکی کے ساتھ بُھنا ہوا تیتر بھیجا کہ شاید وہ تیتر کی خوشبو اور لذت کے سبب اپنی قسم توڑ دے، لیکن ابوالعلا بااصول اور صاحبِ کردار شخص تھا۔ اُس نے تیتر کا گوشت کھانے کی بجائے معمول کے مطابق سبزی پر گزارا کیا۔

3۔ تاہم جب اُسے اپنے دوست کے بھیجے ہوئے بُھنے ہوئے تیتر کا علم ہوا تو وہ جو "غفران" اور "لزومات" جیسی اعلیٰ تصانیف کا تخلیق کار تھا، تیتر سے مخاطب ہو کر یوں گویا ہوا۔

4۔ اے ناتواں اور مسکین پرندے! ذرا یہ تو بتا کہ تُو نے وہ کون سا گناہ کیا تھا، جس کے سبب تجھے یہ دن دیکھنا پڑا، یعنی تجھے آخر یہ کس گناہ کی سزا ملی۔

5۔ تیرے اِس انجام پر مجھے بے حد افسوس ہے، لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تو نے فطرت کے اشارات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، اور شاہین بننے سے گریز کیا، یعنی اگر تُو شاہین کی سی بلند پروازی، حوصلہ اور جرأت کا حامل ہوتا تو کس کی ہمت تھی جو تجھے اس طرح شکار کر کے دسترخوان پر لاتا۔ تیری کمزوری ہی تیری ہلاکت کا سبب بنی۔

6۔ اور میرا یہ قول بھی سُن کہ فطرت کا اشارہ، تقدیر کے مفتی کا وہ فتویٰ ہے جو اُس نے ازل سے جاری کیا ہوا ہے کہ کمزوری اور ناتوانی کا انجام موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو کمزور اور ناتواں ہوتے ہیں، وہ طاقتور لوگوں کا شکار بن جاتے ہیں اور دنیا میں ہر طرح کے منصب و اعزاز سے محروم ہو کر اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال عملی طور پر خود اس نقطۂ نظر کے حامی تھے جو انہوں نے ابوالعلا کی وساطت سے ملتِ اسلامیہ کو پہنچایا۔

وکلاء تحریک

مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن (ii)

قرآن آڈیٹوریم نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب کی تلخیص

[گزشتہ سے پیوستہ]

جسٹس افتخار محمد چودھری کا کمال یہ نہیں کہ انہوں نے پی سی او کے تحت حلف نہیں اُٹھایا بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے 9 مارچ کو فوجیوں کے جھگھٹے میں آمر وقت کے سامنے جرأت انکار کی۔ اور پرویز مشرف کی جانب سے استعفاء کا مطالبہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پی سی او کے تحت حلف نہ اُٹھانے کی تو اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن جس طرح انہوں نے فوجی دباؤ کا مقابلہ کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اُن سے کہا گیا تھا کہ اگر استعفاء نہیں دو گے تو تم پر مقدمہ چلایا جائے گا اور تمہیں سپریم جوڈیشل کونسل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ صورتحال یقیناً سخت اعصاب شکن تھی۔ کوئی کمزور شخص ہوتا تو فوراً ہتھیار ڈال دیتا، مگر انہوں نے کسی بھی قسم کے دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انکار کر دیا۔ حالانکہ پاکستان کے عمومی حالات میں اِس قسم کے انکار کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی...... جب یہ جرأتمندانہ انکار ہو گیا تو اُن کی بے عزتی اور تضحیک کی گئی، انہیں نظر بند کر دیا گیا۔ مگر ہر قسم کے شاہی جبر کے باوجود اللہ کا یہ بندہ ڈٹا رہا۔ اُس کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔ انہی حالات میں وکلاء تحریک کا آغاز ہوا۔ بعد ازاں 20 جولائی 2007ء کو جب جوڈیشل کونسل نے افتخار محمد چودھری کو بحال کر دیا، تو جنرل مشرف نے اِس اندیشہ کے تحت کہ وہ اُن کے باوردی صدارتی انتخاب کے خلاف فیصلہ نہ دے دیں، ایمرجنسی نافذ کر دی، پی سی او بنایا اور افتخار محمد چودھری سمیت جن ججوں نے پی سی او کے تحت حلف نہ لیا، انہیں فارغ کر دیا گیا۔ اِس چیز نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وکلاء تحریک میں مزید شدت پیدا ہوئی۔

وکلاء کی حالیہ تحریک جس انداز سے اُٹھی اور آگے بڑھی، اُس سے میرے دل میں ایک مرتبہ پھر امید کا دیا روشن ہو گیا ہے۔ اِس کی کئی وجوہات ہیں۔

☆ پہلی بات یہ ہے کہ وکلاء کی تحریک مڈل کلاس تعلیم یافتہ طبقے کی تحریک ہے۔ یہ محض جذباتی لوگوں کی تحریک نہیں جو کسی اشتعال انگیز تقریر یا جذباتی نعروں سے میدان میں نکل آئے ہوں۔

☆ وکلاء برادری کی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو Hand to mouth گزارہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ روزانہ کام کرتے ہیں تو ان کا چولہا جلتا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو شریف الدین پیرزادہ کی طرح ایک ایک کیس کے کروڑوں روپے لیتے ہیں۔ اِن لوگوں نے اپنے معاشی مسائل کی پروا کئے بغیر جس طرح عدالتوں کا بائیکاٹ کیا ہے، وہ بہت بڑی قربانی ہے۔ اِس سے اِن کی آمدنیاں اتنی کم ہو گئی ہیں کہ بعض وکلاء کے مطابق 20 فیصد رہ گئی ہیں، مگر یہ لوگ ایک اصول کی خاطر اب تک ڈٹے ہوئے ہیں۔

☆ وکلاء کے ساتھ ساتھ عوام نے بھی اِس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا ہے، چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے قافلے کو اسلام آباد سے لاہور کا چند گھنٹوں کا سفر طے کرنے میں اِس لئے پچیس گھنٹے لگ گئے کہ جگہ جگہ عوام استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے، جو اُن سے تقاضا کرتے تھے کہ وہ اُن سے ضرور خطاب کریں۔

☆ ہمارے ہاں تحریکیں بالعموم مذہبی جذبات کی بنیاد پر چلتی ہیں۔ لیکن یہاں مذہبی جذباتیت کا عنصر نہیں، بلکہ عدلیہ کی آزادی کا نعرہ لگایا گیا اور ایک اصول عدل کی اپیل کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ عدل وہ شے ہے جس کی نفی ایک سیکولر ذہن رکھنے والا آدمی بھی نہیں کر سکتا۔

☆ یہ تحریک انتہائی منظم انداز میں چلائی گئی ہے۔ تحریک کے دوران ہر جمعرات کو جلوس نکالے جاتے رہے، جن میں وکلاء پورے جوش و جذبے اور پابندی وقت کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ پھر یہ کہ اِن جلوسوں میں کہیں بھی توڑ پھوڑ نہیں ہوئی۔

☆ اِس تحریک کا ایک نہایت اہم پہلو یہ بھی ہے اِس نے پاکستان کے وفاقیت کے تصور کو مضبوط کیا۔ اِس پلیٹ فارم پر کراچی کے وکلاء ہوں، بلوچ وکلاء ہوں، پختون ہوں، پنجابی یا سرائیکی ہوں، سب اکٹھے ہو گئے۔ اِس سے علاقائی اور صوبائی تعصبات کے خلاف فضا قائم ہوئی اور ملکی وحدت کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔

وکلاء تحریک سے میں نے دو نتائج اخذ کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس سے واضح ہو گیا کہ قوم ابھی مردہ نہیں ہوئی۔ اُس میں جان ابھی باقی ہے۔ اِس سے پہلے میں قوم سے بہت مایوس ہو گیا تھا۔ مگر وکلاء تحریک سے مجھے ایسا لگا کہ

نہیں نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

دوسرا نتیجہ میں نے یہ نکالا کہ شاید اِس مڈل کلاس تعلیم یافتہ طبقے تک اسلام کا پیغام بالخصوص اسلام کے سماجی انصاف کے نظام کے پہنچانے میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اصولِ عدل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، اسلام کے عظیم عادلانہ نظام کے قیام کے لئے کھڑے نہ ہوتے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اے کاش! یہ تحریک اسلام کے سماجی عدل و انصاف کی تحریک بن جائے۔ اِس کا معاملہ اُس مسلم لیگ کا سا ہو جائے جس نے پاکستان کی تحریک چلائی۔ مسلم لیگ ابتدا میں مسلمانوں کے حقوق کی تحریک تھی۔ اس کے پیش نظر مسلمانوں کے مسائل کا حل تھا، اسلام کا عادلانہ نظام نہ تھا۔ یہ تو اُس وقت ہوا، جب 1930ء میں علامہ اقبال میں تحریک مسلم لیگ میں نظریاتی انجکشن لگایا، اور یہ واضح کیا کہ ہماری قومیت کی بنیاد وطن نہیں اسلام ہے، اور یہ کہ ہمارے لئے ایک الگ خطۂ ارضی ہونا چاہیے، جہاں سے ہم دنیا کے سامنے اسلام کا رُخ روشن پیش کر سکیں۔ اِس نظریاتی انجکشن کے بعد ہی بانی پاکستان قائداعظم محمد جناح نے پورے ہندوستان میں اسلام کی قوالی کی، اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اُن کے پیش نظر ایک ایسی ریاست کا قیام ہے، جہاں اسلامی

اصولوں کو آزمایا جاسکے، ایسی ریاست جس کا آئین قرآن ہو گا۔ اِس اسلامی نعرے کی بدولت برصغیر کے مسلمان متحد ہو گئے۔ انہوں نے مسلم لیگ کو بھرپور طور پر سپورٹ کیا، یہاں تک کہ تحریک مسلم لیگ کا مدراس، ممبئی اور یوپی کے علاقے کے مسلمانوں نے بھی ساتھ دیا، حالانکہ انہیں پاکستان کا حصہ نہیں بننا تھا، مگر محض اِس لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے پر آمادہ ہو گئے تاکہ پاکستان کے ذریعے اسلام کا نمونہ دنیا کے سامنے آسکے۔

یہ تھا وہ جذبہ جس نے پاکستان بنایا۔ میں وکلاء کو بھی اسی جذبے کی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ عدلیہ کی آزادی کی بات بجا ہے لیکن ہماری وکلاء سے گزارش ہے کہ اِس سے ایک قدم اور آگے بڑھائیں اور عدلیہ کی آزادی ہی نہیں بلکہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کو اپنا ہدف اور نصب العین بنائیں۔

اسلام میں عدل پر بہت زور دیا گیا ہے۔ عدل کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے ایک "العدل" ہے۔ پھر یہ کہ عدل و قسط اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ قائم بالقسط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اِس سب کا مقصد بھی یہ تھا کہ نوعِ انسانی عدل و انصاف پر قائم ہو۔ چنانچہ سورۃ الحدید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

"ہم نے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور میزان (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا۔ اِس میں (اسلحۂ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔"

اِس آیت کے پہلے حصے میں بعثتِ انبیاء اور ترسیل کتب کا مقصد بتایا گیا ہے، وہ یہ کہ لوگ عدل پر قائم ہوں...... دوسرے حصے میں وہ بات صاف صاف لفظوں میں فرمادی گئی ہے، جو پوری دنیا کے انقلابی لٹریچر میں اتنے واضح انداز میں کہیں نہیں کہی گئی۔ فرمایا، ہم نے لوہا اتارا، اگرچہ اِس میں اور بھی بہت سے فائدے کے سامان ہیں۔ لوگ اِس سے درانتی، کلہاڑی، چولہا، توا، پرات وغیرہ بناتے ہیں، لیکن اس کا اصل کام جنگی مقاصد کے لئے اِس کا استعمال ہے۔ لوہے میں جنگ کی صلاحیت ہے۔ اللہ نے لوہا اِس لئے اتارا، تاکہ اِس کے ذریعے ظلم و زیادتی کرنے والی قوتوں کا قلع قمع کیا جائے، اُن لوگوں کا سر کچل دیا جائے جو دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو دعوت دیتے رہیے...... اور انہیں یہ بتادیجئے کہ مجھے اللہ کی طرف سے اِس بات کا حکم ہوا کہ تمہارے مابین عدل کروں۔

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾ (الشوریٰ:15)

"تو (اے محمدؐ) اسی (دین کی) طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کے خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دو کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں۔"

سورۃ النحل کی آیت 48 میں چھ باتوں کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے مؤخر الذکر تین تو وہ برائیاں ہیں جن سے روکا گیا ہے اور اول الذکر تین انتہائی اعلیٰ اوصاف ہیں، جن کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اِن تین باتوں میں سب سے پہلی "عدل" ہے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النحل)

"اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی

پریس ریلیز — **27 فروری 2009ء**

ہمارے ملک کی سلامتی اور بہتری اسی میں ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں مثالی فلاحی اسلامی ریاست بنایا جائے جس کا خواب علامہ اقبال اور قائداعظم نے دیکھا تھا

حافظ عاکف سعید

شریف برادران کی نااہلی کا فیصلہ جس تناظر میں ہوا اس نے آزاد عدلیہ کے قیام کی اہمیت کو مزید اُجاگر کر دیا ہے۔ پنجاب میں گورنر راج کے فیصلے کا بھی کوئی آئینی جواز نہیں تھا۔ اس کا مقصد بھی یہی نظر آتا ہے کہ وکلاء تحریک کو ناکام بنایا جاسکے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا ایسا لگتا ہے کہ حکومت نے شریف برادران کے خلاف عدالتی فیصلہ واشنگٹن سے گرین سگنل لے کر کروایا ہے۔ چیف جسٹس افتخار چودھری کی بحالی میں بھی امریکہ رکاوٹ بن رہا ہے کیونکہ وہ امریکی ایجنڈے کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ یہ صورت حال ملکی سلامتی کے لیے انتہائی تشویش ناک ہے۔

خطاب کے دوران حافظ عاکف سعید نے سوات میں امن معاہدے اور نفاذِ شریعت کے فیصلے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہاں کے عوام نفاذِ شریعت پر مطمئن اور مسرور ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ بہت پہلے تسلیم کرلیا جاتا تو اتنے بے قصور لوگوں کا خون نہ بہتا۔ انہوں نے کہا کہ ان علاقوں میں انگریز نے بھی شرعی عدالتیں قائم کررکھی تھیں جو پاکستان بننے کے بعد بھی 22 سال تک قائم رہیں۔ دراصل سوات اور باجوڑ میں امریکہ اور یہودیوں کے ایجنڈے کے طور پر ہمارے حکمران ایک ڈرٹی گیم کھیل رہے تھے۔ جس کا ایک مقصد میڈیا کے ذریعے طالبان کو جاہل اور گنوار کے طور پر پیش کرنا تھا جبکہ دوسرا مقصد پاکستان اور اسلام کو نقصان پہنچانا تھا۔ انہوں نے کہا کہ صوفی محمد اور سرحد حکومت پورے خلوص اور مثبت انداز میں اس معاہدے پر عمل درآمد کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن بعض سیکولر عناصر اور اسلام دشمن طاقتیں اس معاہدے سے ناخوش ہیں۔ امریکہ، نیٹو، بھارت اور کرزئی انتظامیہ اس معاہدے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ اس میں انہیں اپنی موت نظر آتی ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو اس خطے میں امریکہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔

ہمیں دعا کرنا چاہیے کہ یہ تجربہ کامیاب ہو اور سازشی عناصر ناکامی سے دوچار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک کی سلامتی اور بہتری بھی اسی میں ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں مثالی فلاحی اسلامی ریاست بنایا جائے جس کا خواب علامہ اقبال اور قائداعظم نے دیکھا تھا۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے، تا کہ تم یاد رکھو۔"

ظلم و فساد کی ہر شکل کو مٹانا اور حق و انصاف کا بول بالا کرنا مسلمانوں کا اجتماعی نصب العین ہے، جس سے انہیں کسی طور پر غافل نہیں ہونا چاہیے۔ سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (آیت:135)

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔"

سورۃ المائدہ میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔"

یعنی چاہیے کہ آدمی ہر حال میں عدل کی بات کہے۔ عدل و انصاف سے کام لے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی سے دشمنی ہو جائے، تو اُس کے معاملے میں اصولِ عدل کو فراموش کر دیا جائے، نہیں، بلکہ عدل کا پرچم ہر حال میں بلند ہونا چاہیے۔

عدل کی دو سطحیں ہیں۔

ایک ہے افراد کے مابین حقوق یا ملکیت کے ضمن تنازعے کا صحیح صحیح فیصلہ کرنا۔ مثلاً زاہد کا بکر کے ساتھ لین دین، جائیداد یا کسی اور معاملے میں جھگڑا ہے، اُس کو نمٹانے کے لئے عدل سے کام لیا جائے۔ جس کا جو حق ہے، اُسے دیا جائے، جس کا حق نہیں بنتا اُسے نہ دیا جائے۔ یا پھر افراد اور حکومت کے درمیان تنازعہ ہے۔ حکومت فرد کا کوئی ایسا حق مار دیتی ہے، جو اُسے آئین دیتا ہے، تو اس تنازعے کو حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حل کرنا، یہ بھی عدل ہے۔ اسی طرح افراد اور اداروں کے درمیان جنم لینے والے تنازعات کو حل کرنا اس طور سے کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے...... عدل کی یہ پہلی سطح ہے جو عدلیہ سے متعلق ہے۔ اس کی فراہمی عدلیہ کرتی ہے۔ فرض کریں آپ ایک ادارے میں ملازم تھے۔ ادارے نے آپ کو حقوق دیے بغیر فارغ کر دیا، تو اب کیا کریں گے، یہی نا کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اب عدالت اِس کا فیصلہ دے گی۔

عدالتی نظام کے ضمن میں آج کی دنیا میں جو معیارات مسلّم ہیں، وہ وہی ہیں جو ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دیے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ یکطرفہ فیصلہ نہ دیا جائے، بلکہ فریقین کا موقف سننے کے بعد فیصلہ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے۔ یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ اگر سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر کسی ایک بھی بے گناہ کو کسی صورت سزا نہیں ملنی چاہیے۔ تیسری اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عدلیہ ہر قسم کے دباؤ سے یکسر آزاد ہو۔ اسی مقصد کے لئے آج کی دنیا میں ریاست کے تین ادارے الگ الگ رکھے جاتے ہیں۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے اِس لئے الگ رکھا جاتا ہے، تا کہ وہ کسی کے دباؤ میں نہ آئے۔ عدلیہ انتظامیہ کے تابع نہیں ہوتی، بلکہ آئین کی پابند ہوتی ہے۔ اسلام نے عدلیہ اور قانون کی بالادستی کو اس مقام تک پہنچایا ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی شخصیت حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ خود خلفائے راشدین نے عدالت میں حاضر ہو کر اس کی عملی مثالیں قائم کی ہیں۔

عدل کی دوسری اور نسبتاً بلند تر سطح نظام عدل اجتماعی ہے۔ یعنی عدل پر مبنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام۔ اِسی کا دوسرا نام Social Justice ہے۔ سوشل جسٹس صرف اور صرف اسلام فراہم کر سکتا ہے جو دین حق ہے۔ اِس کے علاوہ دنیا کا کوئی نظام بھی عدل فراہم نہیں کر سکتا۔ اِس لئے کہ یہ نظام اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اللہ ہی کامل عدل کرنے والی ذات ہے۔ اُس کی کسی کے ساتھ رشتہ داری نہیں۔ ساری مخلوق اُس کا کنبہ ہے۔ اُس نے عدل کے جو ضابطے عطا کیے ہیں، اُن میں ہر ایک کا خیال رکھا گیا ہے۔ اِس کے برعکس انسان کا وضع کردہ کوئی بھی نظام ہو، اُس میں انفرادی اور گروہی مفادات عدل کی راہ میں حائل ہوں گے۔ مثال کے طور پر عورت اور مرد کے مابین حقوق و فرائض کا نظام اگر مرد بنائے گا، تو اِس میں وہ اپنے مفادات کو سامنے رکھے گا۔ اگر عورت بنائے گی تو اُس کے پیش نظر عورتوں کا مفاد ہو گا، وہ مرد کو نظر انداز کر دے گی۔ یوں انسان کے وضع کردہ نظام میں افراط و تفریط ہو جائے گی......

علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے اسلام پر جو زور دیا تھا، وہ اِسی عدل اجتماعی کے حوالے سے تھا۔ اُن کے پیش نظر ایک ایسی ریاست کا قیام تھا جو اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ نظام کو سپورٹ کرنے کے لئے قوانین کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام نے نظام عدل کو قائم کرنے اور سپورٹ کرنے کے لئے قوانین شریعت عطا کیے ہیں۔ قیام پاکستان کے زمانے میں جن علماء کرام نے تحریک مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا، اُن کے پیش نظر اور عام لوگوں کے سامنے بھی اسلامی شریعت تھی۔ اُن کی ساری توجہ اسلامی سزاؤں اور قوانین کا طرف جاتی تھی۔ اور اِس کی ایک وجہ ہے۔ دراصل طویل عرصے سے مسلمانوں کے ذہنوں سے اسلام کے نظام حیات ہونے کا تصور اوجھل ہو گیا تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد ہمارا سیاسی نظام بدل گیا کہ ملوکیت آ گئی۔ جب یورپی کلونیل ازم کا دور آیا، تو اسلامی شریعت کے قوانین بھی ختم کر دیے گئے۔ اِس کی جگہ اُن کے اپنے قوانین اور نظام آ گیا۔ اِن حالات میں جب برصغیر میں تحریک پاکستان کی تحریک چل رہی تھی، سارا زور قوانین شریعت پر رہا...... میرے نزدیک شریعت اور نظام عدل لازم و ملزوم ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ:15)

"اور کہہ دو کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے، میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں۔"

یعنی میرا ایمان ہے اُس کتاب پر جو اللہ نے مجھ پر نازل کی ہے۔ اِس میں احکام شریعت بھی ہیں، حدود شرعیہ بھی ہیں، عائلی قوانین بھی ہیں قانون وراثت بھی ہے...... پھر اِسی میں سود کی حرمت آئی ہے۔ مجھے تو تمہارے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے...... اور ظاہر ہے کہ میں اِسی کتاب کے مطابق تم لوگوں میں عدل کروں گا۔

سورۃ الحدید کی آیت 25 میں بھی شریعت اور نظام عدل دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

"ہم نے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور میزان (یعنی قواعد عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا۔ اِس میں (اسلحۂ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔"

وکلاء حضرات نے اپنی تحریک کے دوران جس صبر و ثبات، مشقت و جانفشانی، اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اُن کی جدوجہد کا ہدف عدلیہ کی آزادی سے بڑھ کر اسلام کا نظام عدل اجتماعی بن جائے۔ آمین (جاری ہے)

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ: غیر مسلموں کا اعتراف

ڈاکٹر اسرار احمد
بانی تنظیم اسلامی

حضور ﷺ کی عظمت کا اعتراف اور اقرار تدریجاً پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ اور آپؐ کی ذات مبارکہ سے جو تعصب غیر مسلموں کو تھا وہ رفتہ رفتہ ختم ہو رہا ہے۔

1920ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کے بھارتی لیڈر ایم این رائے نے "بریڈلا ہال لاہور" میں (جو اب کھنڈرات کی صورت اختیار کر چکا ہے اور وہاں کوئی اور چیز تعمیر ہو چکی ہے) ایک لیکچر دیا تھا جس کا موضوع تھا "The Hsitorical Role of Islam"۔ اسی نام سے یہ کتاب اب بھی ہندوستان میں طبع ہوتی ہے، جسے بمبئی کا ایک ناشر شائع کرتا ہے۔ میں نے حیدر آباد دکن میں اس کا نسخہ دیکھا ہے، لیکن پاکستان میں کہیں دستیاب نہیں ہے۔

ایم این رائے "The Hsitorical Role of Islam" میں صاف صاف کہتا ہے کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ تھا جو محمد عربی (ﷺ) نے برپا کیا تھا۔ حضور ﷺ کے جانشینوں اور جاں نثاروں نے جس سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل کیں اور عراق، شام ایران، مصر جس تیزی کے ساتھ فتح کیے، اگرچہ اس تیزی کے ساتھ تاریخ انسانی میں فتوحات پہلے بھی ہوئی ہیں، مگر ان فاتحین کی فتوحات محض ہوسِ ملک گیری کا شاخسانہ تھیں۔ ایم این رائے نے انہیں "Brute military campaigns" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اِن کے نتیجے میں کوئی نئی تہذیب یا کوئی نیا تمدن وجود میں نہیں آیا، دنیا میں کوئی روشنی نہیں پھیلی، کوئی علم کا فروغ نہیں ہوا۔ جبکہ محمد عربی ﷺ اور آپؐ کے جانشینوں کے ذریعے سے شرقاً غرباً جو فتوحات بڑی تیزی کے ساتھ ہوئیں، ان کے نتیجے میں ایک نیا تمدن، نئی تہذیب، علم کی روشنی اور انسانی اقدار وجود میں آئیں۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو ہر طرح کی زیادتیوں سے پاک تھا۔ اس میں سیاسی جبر نہیں تھا۔ اس میں معاشی استحصال نہیں تھا۔ اس میں کوئی سماجی فرق و تفاوت نہیں تھا۔ جیسے کہ علامہ اقبال نے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا ہے۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

دنیا میں اور بھی بڑے بڑے لوگ رہے ہیں جو سالہا سال تک پہاڑوں کی غاروں کے اندر تپسیائیں کرتے رہے ہیں، لیکن محمد عربی ﷺ نے غار حرا میں چند روز کے لیے جو خلوت گزینی اختیار کی تھی وہ اس قدر productive اور نتیجہ خیز تھی کہ اس سے ایک نئی قوم، نیا تمدن، نیا آئین اور حکومت وجود میں آ گئی۔ یہ ہے آنحضور ﷺ کی وہ عظمت کہ جس کا اظہار ایم این رائے نے کیا، جو مسلمان نہیں، ہندو کمیونسٹ تھا۔

1980ء میں امریکہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی کتاب "The Hundred" منظر عام پر آئی، جس میں اس نے پوری معلوم تاریخ انسانی کا جائزہ لیا ہے کہ تاریخ کے سفر کے دوران کن کن شخصیت نے اس تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ اس نے ایسے سو افراد کو چن کر ان پر کتاب لکھی ہے اور ان کے اندر بھی درجہ بندی (gradation) کی ہے کہ کس شخصیت نے سب سے زیادہ تاریخ کے دھارے کو متاثر کیا ہے اور سب سے زیادہ گھمبیر انداز میں اسے موڑا ہے۔ چنانچہ اُس نے اس درجہ بندی میں حضرت محمد ﷺ کو سب سے اُوپر نمبر 1 پر رکھا ہے۔ اس کتاب کا مصنف تا حال عیسائی ہے اور ابھی زندہ ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر اور نیوٹن کو دوسرے نمبر پر لایا ہے۔ نیوٹن کی فزکس نے جس طرح سے تاریخ انسانی کو متاثر کیا ہے اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے پورے Explosion کا نقطۂ آغاز نیوٹن ہے۔ شخصیات کے انتخاب اور درجہ بندی میں مؤلف نے کوئی مذہبی پہلو مدنظر نہیں رکھا، نہ ہی اپنے عقائد کو پیش نظر رکھا ہے، بلکہ اس کا موضوع ہی یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے دھارے کے رخ کو موڑنے والی کون کون سی شخصیات ہیں۔ ان شخصیات میں نمبر ایک پر محمد رسول اللہ، نمبر دو پر نیوٹن اور نمبر تین پر حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس نے ایک اور شخصیت کو ان سو (۱۰۰) کی فہرست میں شمار کیا ہے اور وہ ہیں ٹھیک پچاسویں نمبر پر حضرت عمر فاروقؓ۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، بلکہ اس نے خود سوال اُٹھایا ہے کہ میں ایک عیسائی ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے محمد (ﷺ) کو میں نمبر ایک پر کس اعتبار سے رکھ رہا ہوں؟ اس کا جواب وہ خود دیتا ہے: "This is because he is the only person supremely successful in both the religious and the secular fields." یہ بہت گھمبیر اور معانی خیز جملہ ہے۔

اسی طرح H.G.Wells برطانوی سائنٹیفک فکشن رائٹر کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے بڑے اچھے اچھے ناول اور کہانیاں لکھیں جن میں اس نے یہ reflect کیا کہ سائنس کدھر جا رہی ہے۔ سائنس کی جو ایجادات اور جو انکشافات ابھی ہونے تھے ان کو پہلے سے visualize کر کے ان پر اس نے اپنی کہانیوں اور ناول کے بنیادی خاکے اور پلاٹس کو مبنی کیا۔ لہٰذا وہ scientific fiction کے اعتبار سے مشہور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے تاریخ عالم پر دو کتابیں "Short History of the World" اور "Concise History of the World" لکھیں۔ مؤخر الذکر کتاب زیادہ ضخیم ہے اور اس میں اس نے آنحضور ﷺ پر ایک باب شامل کیا ہے۔ اس میں اس نے (میں اپنے دل پر جبر کر کے یہ الفاظ لکھ رہا ہوں) ابتداء میں حضور ﷺ کی ذاتی، نجی اور خانگی زندگی پر نہایت رکیک حملے کیے ہیں۔ یوں سمجھئے دو ملعون نام نہاد مسلمان، انگلینڈ میں سلمان رشدی اور بنگلہ دیش میں تسلیمہ نسرین نے، آنحضور ﷺ کی شخصیت پر جس قدر چھینٹے اڑائے ہیں اسی طرح کے چھینٹے H.G.Wells نے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پر خصوصاً خانگی زندگی کے حوالے سے اُڑائے ہیں، لیکن اس قسم کی غلیظ ذہنیت کا حامل متعصب شخص بھی جب اس باب کے اخیر میں پہنچتا ہے اور خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر کرتا ہے تو آنحضور ﷺ کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ آپؐ کے الفاظ نقل کرتا ہے: (ترجمہ) "لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں! اسی طرح کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں! کسی سرخ و سفید رنگ والے شخص کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اسی طرح کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں! افضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور

آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔" ان جملوں کا وہ باقاعدہ حوالہ دیتا ہے اور پھر لکھتا ہے:

"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before. We find a lot of these sermons in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Muhammad who for the first time in history established a society based on these principles."

(اگرچہ انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت سے کہے گئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت سے مواعظ حسنہ ملتے ہیں، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ صرف محمد عربی (ﷺ) تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ بالفعل ایک ضابطہ معاشرہ انہی اصولوں پر قائم کر کے دکھایا۔)

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ دشمن کا خراج تحسین ہے جو کہ معتقد نہیں ہے اور آپؐ سے ذاتی طور پر بغض، عناد اور دشمنی کے باوجود اس حقیقت کے اعلان و اعتراف پر مجبور ہے کہ محمد عربی ﷺ کے ہاں انسانی حریت واخوت ومساوات کے صرف وعظ ہی نہیں ملتے بلکہ آپؐ نے ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔ سچ ہے کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ" یعنی اصل فضیلت تو وہ ہے جس کا اعتراف واقرار دشمن بھی کریں۔ گویا جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ظاہر ہے جو دوست ہے، اور محبت کرنے والا ہے، اس کی نگاہ تو محبوب کی کسی خامی کو دیکھ ہی نہیں سکتی، جبکہ دشمن میں اُسے کوئی خیر اور خوبی نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر کوئی دشمن کسی کی فضیلت کا اعتراف کرے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہاں ایک بات نوٹ فرما لیجئے کہ آنحضور ﷺ کی مدح میں H.G.Wells نے اپنی کتاب میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا انہیں کتاب کے موجودہ مرتبین اور نئے ایڈیٹرز نے حذف کر دیا ہے۔ یہ جملے ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر پائے۔ H.G.Wells کو تو فوت ہوئے بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اب "Concise History of the World" کا جو نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں وہ جملے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ کڑوی گولی تھی جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر پائی۔ لیکن آپ کو کسی مستند لائبریری سے اس کتاب کا پرانا ایڈیشن ضرور مل جائے گا جس میں مذکورہ بالا الفاظ موجود ہیں۔

رائج نظام کے ساتھ وفاداری کی شرائط

حافظ محمد مشتاق ربانی

اسلام نے جس طرح حکام پر عدل وانصاف کو فرض کیا ہے، اسی طرح عوام الناس پر ان کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء:59)

"اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو اور (اس کے) رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"

اس آیت میں تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی، رسولؐ کی اور مسلمانوں میں جو اولوالامر ہیں اُن کی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تو ایک ہی ہے، کیونکہ رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء:80) "جو شخص رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔" اسی مضمون کی حدیث نبوی ہے: ((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ)) "جس نے میری اطاعت کی دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سورۃ النساء کی آیت 59 میں وارد اولوالامر سے کیا مراد ہے، تو اس سے مفسرین کرام عموماً مندرجہ ذیل طبقات مراد لیتے ہیں:

1- امت کے فقہاء وعلماء

2- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھیجے گئے مسلمان فوج کے کمانڈر

3- امراء الحق (اہل حق حکمران)

اولوالامر یعنی اہل اختیار سے مراد مذکورہ بالا تینوں طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں سربراہ کار ہوں۔ ہم چونکہ مسلمانوں کے سیاسی نظام کے حوالے سے بات کر رہے ہیں، لہٰذا اس مقام پر اولوالامر سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ وامام لے رہے ہیں۔ بعض لوگ جو غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں وہ اولوالامر سے غیر مسلم حکومتوں کی اطاعت کا جواز پیش کرتے ہیں جو کہ اس آیت قرآنیہ کے ساتھ صریحاً ظلم ہے۔ حیرت ہے کہ ایسی رائے رکھنے والوں کو "منکم" کی شرط بھی نظر نہیں آتی۔

یہاں تو مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کی بھی بنیادی شرط بتائی جا رہی ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے مطیع و فرمانبردار ہوں۔ آپ دیکھیں یہاں اطیعوا اللہ کے بعد اطیعوا الرسول میں تو فعل کا اعادہ کیا گیا ہے مگر اولوالامر میں نہیں کیا گیا ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ اصل اطاعت کتاب وسنت کی ہے۔ اولوالامر کی اطاعت صرف اسی لیے ہے تا کہ کتاب وسنت کی اطاعت کی جائے۔

امراء الحق کی اطاعت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ حدیث نبوی ہے: ((اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَلَوْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ)) "سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر حبشی غلام ہی کو امیر بنا دیا جائے۔" اولوالامر اگر کتاب و سنت کے خلاف حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہوگی۔ ان کی اطاعت مشروط ہے، مطلق نہیں۔ لہٰذا امام وخلیفہ ایسا ہونا چاہیے جو اللہ کی اطاعت کرانے کا ذریعہ ثابت ہو، کیونکہ قرآن وسنت ایک قانون ہے اور قانون تب تک بیکار رہتا ہے جب تک کوئی قوت نافذہ نہ ہو۔ قوت نافذہ (خلیفہ وامام) اگر شریعت سے منحرف ہو جائے تو اس کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝﴾ (الشعراء:51،52)

"اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو، جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق))

"خالق کی معصیت کے کاموں میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باقاعدہ ((السمع والطاعة مالم تكن معصية)) "لوگوں کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے بجز اس حکم کے جو معصیت ہو" کے عنوان سے باب باندھا ہے۔

اگر ریاست اسلامی ہو تو تمام شہریوں کی پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کی اطاعت کریں، جس کے لیے اسلام میں سمع وطاعت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اسلامی ریاست کا دوسرا حق یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ وفاداری اور خیر خواہی کرے، اس کی سچے دل سے بھلائی چاہے بلکہ ان دونوں باتوں سے بڑھ کر ہر میدان میں اس کے ساتھ بھلائی کرے کیونکہ اسلامی ریاست کا تحفظ ہر شہری کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کتاب الامارۃ میں ایک روایت ہے:

> ’’جو شخص امام کی بیعت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ اور اپنے دل کی بہترین چیز اس کے سپرد کر دے یا اسے چاہیے کہ وہ ہر ممکن حد تک اپنے امام کی اطاعت کرتا رہے اور اگر اس دوران دوسرا دعویدار امامت وخلافت آ جائے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس کی گردن اُڑا دیں۔‘‘

اسلام میں جو جہاد فی سبیل اللہ ہے وہ اسی غرض کے لیے ہے کہ اسلامی ریاست کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد یہ نہیں کہ کفار ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیرو بن جائیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ کفار کی بالادستی اور خودمختاری ختم ہو جائے۔ وہ زمین میں حاکم بن کر نہ رہیں، بلکہ حیات اجتماعیہ کے اختیارات دین کے متبعین کے ہاتھ آ جائیں۔

لیکن اگر مسلمانوں کی ایسی حکومت ہو جو کتاب و سنت کے مطابق اپنے معاملات طے نہیں کرتی، قرآن حکیم سورۃ المائدہ میں ایسے لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ انہیں ظالم اور فاسق قرار دینے میں تو کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا، البتہ کافر کہنے میں کئی مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یاد رہے کہ یہاں کفر سے مراد عملی کفر ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ دائرہ اسلام سے ہی نکل جاتے ہیں، جیسا کہ خوارج کا نقطہ نظر تھا۔ ایسی حکومت کی مجبوری کی حالت میں ہی اطاعت کی جائے گی جیسا کہ آج کل امت مسلمہ کی تمام حکومتوں کی حالت ہے۔ ایسی حالت میں ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم شرعی احکام کی تنفیذ اور دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اسلامی خلافت کو قائم کریں۔

اسلامی حکومت اس قدر ناگزیر ہے کہ اس کے قیام کے لیے مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج بھی کرنا پڑے تو اس کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ ابوبکر الجصاص نے احکام القرآن (ج 1 ص 100) میں امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے: ’’وجوب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فرض بالقول، فان لم یوتمر لہ فبالسیف ‘‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ابتداءً زبان سے فرض ہے، لیکن اگر سیدھی راہ نہ اختیار کی جائے تو پھر تلوار سے۔

امام ابوحنیفہ کی یہ رائے صرف زبان تک محدود نہیں تھی بلکہ زید بن علی (یہ امام حسین کے پوتے اور امام الباقر کے بھائی ہیں۔ اہل تشیع کا فرقہ زیدیہ اپنے آپ کو انہی کی طرف منسوب کرتا ہے) کا جب ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کا واقعہ پیش آیا تو امام ابوحنیفہؒ نے مالی طور پر زید بن علی کی مدد کی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین کی۔ اسی طرح عباسی عہد میں محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ (نفس رضیہ) نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف خروج کیا، تو اِس موقع پر بھی امام ابوحنیفہؒ نے کھلم کھلا خروج کی حمایت کی، یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ وہ سب گرفتار ہو جائیں گے۔ یہاں پر واضح رہے کہ خروج کا تصور صرف امام اعظم کے ہاں ہی ملتا ہے۔ دیگر فقہاء کرام اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں، البتہ امام مالکؒ جس طرح جبری طلاق کے قائل نہیں ہیں اسی طرح جبری حکومت کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ الطبری میں بیان ہے کہ نفس زکیہ کے خروج کے موقع پر لوگوں نے جب امام مالکؒ سے پوچھا کہ ہم تو خلیفہ منصور سے بیعت ہیں، اب ہم دوسرے مدعی خلافت کی کیسے حمایت کر سکتے ہیں تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ تم سے جبری بیعت لی گئی ہے اور جبری بیعت باطل ہے۔ آپؒ کے اس فتویٰ سے بہت سے لوگ نفس زکیہ کی حمایت کرنے لگے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام مالک نے نہ کبھی کسی حکومت کے خلاف بغاوت کی اور نہ کبھی اس کی ترغیب دلائی بلکہ وہ بغاوت کے لیے آمادہ کرنے سے بہت دور تھے۔ اس بات کو ابوزہرہ (مصری) اپنی کتاب ’’امام مالکؒ‘‘ میں بیان کرتے ہیں ’’کہ اصل میں امامؒ ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ ’’اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی‘‘ چنانچہ فتنہ اُٹھانے والوں نے اس حدیث سے ابوجعفر منصور کی بیعت کے باطل ہونے پر دلیل حاصل کر لی اور یہ بات نفس زکیہؒ کے خروج کے وقت مدینہ میں پھیل گئی اور منصور نے بھی امامؒ کو منع کیا کہ وہ جبری طلاق والی حدیث بیان نہ کریں، لیکن امام مالکؒ کسی کو راضی کرنے کے لیے حدیث بیان کرنے سے رک نہیں سکتے تھے اور نہ وہ کسی خواہش کی پیروی سے بیان کرتے تھے بلکہ انہوں نے دیکھا کہ بیان نہ کرنا علم چھپانا ہے۔ گویا امامؒ کسی اور نظر سے بیان کرتے تھے اور حاکم مدینہ نے دیکھا کہ اس حدیث بیان کرنے میں فتنہ ہے یا فتنہ کی ترغیب ہے جس کی بنا پر حاکم مدینہ جعفر بن سلیمان نے آپؒ کو کوڑے لگوائے اور اس سزا کے موقع پر آپ کے دونوں شانے اُتر گئے۔

امام اعظمؒ کے ہاں اگرچہ خروج کی اجازت موجود ہے لیکن اس کی نہایت کڑی شرائط ہیں۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ باطل کے مقابلے میں کامیابی کا غالب گمان ہو اور اس خروج کو بہت زیادہ عوامی تائید حاصل ہو۔ امام صاحبؒ نے باطل نظام کے بارے میں خروج کی جو رائے قائم کی ہے وہ آنحضورؐ کے ان ارشادات کی بنیاد پر قائم کی جو نہی عن المنکر کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمائے۔ ان ارشادات میں صرف برائی کو زبان وقلم ہی سے روکنا اور اس کے خلاف تبلیغ کرنا نہیں ہے بلکہ حالات کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس کو طاقت سے روک دینا بھی ہے، جو مسلمانوں کی طاقت پر منحصر ہے۔ اگر مسلمانوں میں اتنی قوت ہو کہ وہ دنیا کو برائی سے روک کر نیکی پر چلا سکیں تو ان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی قوت کو بروئے کار لائیں اور برائی کے خلاف اس وقت تک جہاد کریں جب تک برائی کو ختم نہ کر لیں، لیکن اگر وہ اتنی قوت نہ رکھتے ہوں تو اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق برائی کو روکیں۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی صادق آباد کے ملتزم رفیق حکیم جماعت علی زاہد وفات پا گئے
☆ تنظیم اسلامی وہاڑی کے امیر راؤ محمد جمیل کا پوتا وفات پا گیا۔
☆ حلقہ کراچی جنوبی کے ناظم مکتبہ ریاض الاسلام فاروقی کے چچا (سسر) وفات پا گئے
☆ تنظیم اسلامی ملتان کے منفرد رفیق عمیر نواز کے والد وفات پا گئے
☆ تنظیم اسلامی ملتان شمالی کے ملتزم رفیق اور قرآن اکیڈمی ملتان کے شعبہ کمپیوٹر کے انچارج شکیل اسلم کے والد وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقاء واحباب اور قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے

دعائے صحت کی اپیل

☆ امیر تنظیم اسلامی نیو ملتان محمد عطاء اللہ خان کی اہلیہ روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئی ہیں۔

ان کی صحت یابی کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

کیا ہم کبھی اپنی تاریخ سے سبق بھی حاصل کریں گے؟

محمد سمیع

یادش بخیر! ماہ مارچ کی آمد آمد ہے۔ 25 مارچ کو ہم سے بچھڑنے والے بنگالی بھائی ہر سال یوم آزادی مناتے ہیں، کیونکہ یہ وہ تاریخ ہے جب یحییٰ حکومت نے مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کا آغاز کیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن پاکستانی فوج کے لئے کوئی آسان مرحلہ نہ تھا کیونکہ ایک ڈکٹیٹر کے عاقبت نااندیشانہ اقدامات کے نتیجے میں بنگالیوں کی عظیم اکثریت حکومت سے بددل ہو چکی تھی اور اس کی تمام تر ہمدردیاں شیخ مجیب الرحمٰن کے حق میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر یحییٰ حکومت نے فوج کی مدد کے لئے ان لوگوں کو اپنا ہدف بنایا جو حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے اور جن کے نزدیک شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کو مملکت خداداد پاکستان سے الگ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں نہ صرف وہ غیر بنگالی شامل تھے جو تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے ان صوبوں سے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، ہجرت کر کے مشرقی پاکستان میں آباد ہو چکے تھے بلکہ وہ بنگالی بھی شامل تھے جن میں وطن عزیز کے لئے حب الوطنی کا جذبہ موجود تھا۔ لہٰذا ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز کے نام سے ایک پیراملٹری فورس قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی نے اپنے حامیوں پر مشتمل البدر اور الشمس جیسی تنظیمیں فوج کی مدد کے لئے قائم کیں۔ یہ اقدامات ضروری بھی تھے، کیونکہ ایک شورش زدہ صوبے میں جہاں کے عوام کی اکثریت بغاوت پر آمادہ ہو چکی تھی اور جس کی پشت پر بھارتی حکومت بھی موجود تھی جس نے مکتی باہنی کے روپ میں اپنے لوگوں کو بنگالیوں کی صف میں شامل کر دیا تھا۔ ان سب سے نمٹنا اکیلی پاکستانی فوج کے لئے ممکن نہ تھا۔ لیکن ان اقدامات کے علاوہ ضروری تھا کہ مشرقی پاکستان میں موجود ایسے سیاسی لیڈروں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے جو شیخ مجیب الرحمٰن کی پالیسیوں سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا ایسے سیاستدان حضرات کو صوبائی حکومت میں شامل کیا گیا جن کو عوامی لیگ کے لیڈروں کے مقابلے میں کوئی ہردلعزیزی حاصل نہ تھی۔ لیکن یہ تمام اقدامات وطن عزیز کو شکست و ریخت سے نہ بچا سکے۔ کاش، آج مینڈیٹ کا شور مچانے والے اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن کے مینڈیٹ کو تسلیم کر لیتے۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کو وطن عزیز سے الگ کرنے کا منصوبہ ایک طویل عرصے سے بنا رکھا تھا، لہٰذا اگر حکومت اسے سونپ دی جاتی تو شائد پھر بھی ملک کو شکست و ریخت سے بچانا ممکن نہ ہوتا۔ اس رائے کو بالکل مسترد تو نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اگر آپ کسی قوم کو بالکل دیوار سے لگا دیں گے تو اس کے نتائج بد کے لئے بھی آپ کو تیار رہنا پڑے گا۔ لیکن مذکورہ رائے بدگمانی پر مبنی بھی ہو سکتی تھی۔ عوامی لیگ کو اگر پورے ملک کا اقتدار حاصل ہو جاتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے اس اقتدار کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں صرف بنگلہ دیش تک محدود کر لیتی۔ دل میں چور موجود ہو تو انسان اس قسم کے مفروضے قائم کر کے اپنے غلط خیالات کی توجیہہ کر ہی لیتا ہے۔ بالفرض اگر بعد میں کسی وقت مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی نوبت آ ہی جاتی تو اس کی صورت وہ بھی ہو سکتی تھی جس کو قرآن کریم کے الفاظ میں "ہجراً جمیلا" بنایا جا سکتا تھا یعنی یہ علیحدگی خوش اسلوبی سے بھی ہو سکتی تھی۔ وطن عزیز کی شکست و ریخت کی صورت میں کیا کچھ نہ ہوا۔ مسلمانوں کی تاریخ پر ایک اور سقوط کے کلنک کا ٹیکہ لگا۔ لاکھوں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ہمیں دشمنوں کا یہ طنز سہنا پڑا کہ "جنت میں فرشتے لڑ رہے ہیں"۔ مال و اسباب کے نقصانات کا اندازہ تو لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ ترانوے ہزار فوجی اور عام شہری ان ہندوؤں کی قید میں گئے جن پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکمرانی کی تھی، جب ہی تو اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ آج بھی لاکھوں محصورین بنگلہ دیش کے کیمپوں میں جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ بھٹو حکومت نے تو ان میں سے کچھ کو تو پاکستان منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیا چاہے اسے حالات کے دباؤ کے تحت ہی ایسا کرنا پڑا ہو۔ لیکن اس کے بعد ایک فوجی ڈکٹیٹر نے فوج کے ان معاونین کو جن پر بنگلہ دیش کی حکومت نے Collaborator کا لیبل لگایا اور جنہوں نے قدم بقدم فوج کا ساتھ دیا، "بھکاری" کے خطاب سے نوازا۔

دوسرے فوجی ڈکٹیٹر نے ڈھاکہ میں شہید مینار پر حاضری دے کر بنگالی قوم سے معافی مانگ لی لیکن محصورین بنگلہ دیش کی وطن منتقلی کے لئے کسی اقدام کی اسے بھی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اگر بنگالی بھائیوں کے خلاف فوجی ایکشن کی بجائے ان کے مینڈیٹ کو تسلیم کر لیا جاتا تو شائد ان کی محرومیوں کے ازالے کے نتیجے میں نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ لیکن وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ ۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مملکت خداداد پاکستان کے لئے مشرقی پاکستان ایک متاع عزیز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم نے اس متاع گراں کو تو کھو دیا لیکن اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس زیاں بھی باقی نہیں رہا کہ اسلام کے نام پر بننے والی دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت شکست و ریخت سے دوچار ہو گئی۔ ہمارے کرتوت جو اب تک جاری ہیں اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہمیں آج بھی عوام کے احساس محرومی کا ادراک نہیں۔ آج بھی طاقت کے بل پر عوام کی تمناؤں کا خون کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس میں ایک افسوسناک پہلو یہ بھی شامل ہو گیا ہے کہ ہم غیروں کو خوش کرنے کے لئے اور دراصل اپنے اقتدار کے دوام کے لئے، اپنوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ حالانکہ 1971ء میں امریکہ بھی بظاہر ساتویں بحری بیڑے کی آمد کے لارے لپے دے کر ہمیں یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ پاکستان کو توڑنے میں شریک نہیں۔ یہ حقیقت تو کافی بعد جا کر آشکارہ ہوئی۔ لیکن اب تو کھلم کھلا امریکہ ہمارے ملک کے حصے بخرے کرنے کے کھلے منصوبے بنا رہا ہے۔ اگر یحییٰ اور بھٹو کے اقتدار کی ہوس نے ملک کو شکست و ریخت سے دوچار کیا تو پرویز مشرف کے ہوس اقتدار نے ملک کو مغربی اقوام کی شکارگاہ بنا کر اسے شدید خطرات سے دوچار کر دیا اور ہوس اقتدار کا جادو آج بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دیکھئے اقتدار کی ہوس مزید کیا گل کھلاتی ہے کیونکہ سرحد حکومت ملیشیا تیار کرنے اور اسے مسلح کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس سے قبل قبائلی علاقوں میں بھی لشکروں کی تشکیل عمل میں آ چکی ہے۔ 1971ء کا ایکشن ری پلے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن کو ہوس اقتدار میں مبتلا لوگوں کی دستبرد سے محفوظ فرمائے۔ آمین

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

انجینئر طارق خورشید

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری

مختلف مفکرین نے سیاست کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں، لیکن اس اختلاف رائے کے باوجود تمام دانشوران کی آراء ایک ہی مرکز و محور کے گرد گھومتی ہیں۔ سیاست کی جامع تعریف موقع شناسی، باریک بینی، غور و تدبر، سوچ بچار اور فلاح و بہبود سے مربوط ہے، اسی لیے شاعرِ مشرق نے سیاست کو دینِ اسلام کا جزوِ عظیم قرار دیا ہے اور اُس دین کو جو سیاستِ انصاف سے متصف نہ ہو، ظلم و ستم، فتنہ و فساد اور چنگیزی جارحیت کا نام دیا ہے۔

نظامِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام زندگی کے لئے ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ دین اگر زندگی کی روح ہے تو سیاست اس کا جسم ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے بعینہٖ دین و سیاست کی علیحدگی تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جدید سیاست کو سمجھنے کے لیے مشہور امریکی مفکر ہنری کسنجر کا قول ہی کافی ہے اور وہ خود اس فلسفہ پر بڑی شدت سے عملی طور پر کاربند بھی ہیں کہ "سیاست کا نہ کوئی اخلاق ہوتا ہے اور نہ ہی سیاست کے سینے میں کوئی دِل ہوتا ہے کیونکہ اکثر سیاستدان اجتماعی مفادات کو انفرادی مفاد کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اُن کی سوچ خود غرضی، ذاتی منفعت اور فقط کنبہ پروری تک ہی محدود ہوتی ہے، کیونکہ جدید سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ اخلاقی ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر کامیابی کے ہر ممکن امکانات پیدا کئے جائیں (ہمارے ملک کے سیاستدان اس تعریف کے بلاشبہ محافظِ اعلیٰ ہیں۔ کسے باشد)۔"

سیاست بذاتِ خود جنسِ شرافت ہے اور نہ شیطانی وراثت۔ سیاست پست کردار ولا دین اربابِ سیاست کے ہتھے چڑھ کر اخلاقی اقدار سے محروم اور سیاست کے دہکتے صحرا میں جھلس جاتی ہے تو بلند کردار و با دین سیاستدان کی وجہ سے طائرِ سیاست کا نشیمن قربِ کہکشاں میں تعمیر ہوتا ہے جس سے خلائق کو سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور ملکی و بین الاقوامی سیاست کو اخلاق و ضوابط کا پابند رکھنا چاہتا ہے۔ عہدِ رسالت ﷺ و خلفائے راشدین کے مثالی ادوار کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں سیاست کے وہ قواعد و ضوابط نظر آتے ہیں کہ جن کے حلقۂ اثر میں غاصب و ظالم کو قابلِ گردن زدنی ٹھہرا کر مجبور و مقہور، چارہ و ناچار اور بے بس و بے کس افراد کے رستے ہوئے زخم ہائے قلب و جگر پر نشاط و انبساط کے مرہم رکھے جاتے تھے۔ اب وہ سیاست نہ رہی، وہ

> اسلام زندگی کے لئے ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ دین اگر زندگی کی روح ہے تو سیاست اس کا جسم ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے بعینہٖ دین و سیاست کی علیحدگی تباہی پر منتج ہوتی ہے

سیاست کی شرافت نہ رہی، وہ دین کی خلافت نہ رہی۔

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

جدید کماؤ سیاست کا اُس قدیم دینی سیاست سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ حاکم و ظالم کی داشتہ اور وہ محکوم و مظلوم کی محبوبہ تھی۔ اِس کی چنگاریاں انسانیت سوز اور اُس کی گلکاریاں انسانیت نواز تھیں۔ اُس دینی سیاست کا محور و مرکز مسجد نبویؐ تھا، جہاں خاکِ فرش پر بیٹھ کر نظامِ خلافت کے ذریعے دُنیا کی تقدیر بدلنے کے مشورے ہوتے تھے اور اب پانی، بجلی، گیس اور آٹے کو ترسی ہوئی عوام کی چیخ و پکار سے بے نیاز ہو کر، عوام سے کیے گئے وعدوں کو بھلا کر، حیلہ و روباہی کا سہارا لے کر ایوانِ بالا و ایوانِ زیریں میں بیٹھ کر سادہ لوح عوام کو باہم بھڑکانے، ورغلانے اور مزید دھوکہ دینے کے لئے بہانے تراشنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ بقول اقبال۔

اس کھیل میں تعیینِ مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں ہیں پیادہ
بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ!

اب تو یہ انتہا ہے کہ اہلِ مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے اذہان و قلوب میں دین و سیاست میں علیحدگی کا تصور اس قدر راسخ کر دیا ہے کہ اگر کہیں عالمِ دین بھی اسلامی سیاست و ریاست کی بات کرے تو ہم فوراً کہتے ہیں۔ "حضرت آپ کو سیاسی بکھیڑوں سے کیا غرض ہے آپ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیجئے۔" آج بھی متعصب سیاستدان معمارانِ قوم کو آلۂ کار بنا کر اس لادین سیاست کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ آج اگر ایسی لادین سیاست کے حامی حکومتی اہلکار پاپ میوزک کی دھنوں سے مست ہو کر اپنے مسائل کے حل کے لئے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں اور بزعم خویش اس لادیں سیاست کو دینِ اسلام کا جزو لازم اور زمانے کی ڈیمانڈ قرار دیتے ہیں تو انہیں علم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کی ریاست و سیاستِ خلافت پر یقین رکھنے والے ایسی مغربی سیاست کے ہرگز حامی نہیں ہو سکتے جو مسلمان کو اس کے مشن، یعنی اقامتِ دین و نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد سے ہٹا کر گمراہ کر دے۔ موجودہ سیاست کے زمرہ میں، جس میں سوائے ایک دوسرے کی ذات و کردار کو نشانہ بنانے اور اپنی جیبیں بھرنے کے اور کوئی تعمیری کام نہیں ہو رہا، جمہوریت کا نام بڑی شدومد سے لیا جا رہا ہے، جس کے متعلق شاعرِ مشرق نے کہا تھا۔

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

پاکستانی سیاست خواہ خطِ ملوکیت پر گامزن ہو یا طرزِ جمہوریت پر چلتی، اس میں آمریت جھلکتی ہے۔ سیاست اگر خطِ ملوکیت پر گامزن ہو تو بساطِ اقتدار کے مہروں کے طلوع و غروب میں عوام کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور موجودہ طرزِ جمہوریت کے لبادے میں انتقالِ اقتدار کی مشکلات کے

علاوہ روز و شب لوٹ کھسوٹ اور اقرباء پروری کا بازار بھی گرم ہے۔

ایک دفعہ ایک سوال کے جواب میں مرحوم جسٹس آر اے کیانی نے ہماری سیاسی چالبازیوں اور فریب کاریوں کا ذومعنی الفاظ میں یوں پردہ چاک کیا تھا "سیاست پشاور کے چپلوں کی طرح بدمزہ ہوگئی ہے" واقعی موجودہ سیاست پشاوری چپلوں کی مانند ہے۔ چشمِ فلک سوبار دیکھ چکی ہے کہ خارزارِ سیاست میں سینکڑوں نازک ابدان آتشیں گولیوں سے چھلنی ہو چکے ہیں۔ سیاست کے لپکتے ہوئے شعلوں سے مفلوک الحال لوگوں کی کئی جھونپڑیاں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو چکی ہے، یہ صورتحال ہمیں اپنی خارجہ پالیسیوں کو یکسر تبدیل کرنے کا پرزور تقاضا کرتی ہے۔ مالاکنڈ میں شریعت کا نفاذ یقیناً حوصلہ افزا ہے۔ جس سے حالات میں تبدیلی آئے گی، (ان شاء اللہ) مگر قبائلی علاقوں میں بھی مذاکرات کا راستہ اپنایئے، اور امریکی ڈرون حملوں پر بھیگی بلی بننے کی بجائے جرأتمندانہ اور آبرومندانہ پالیسی اپناتے ہوئے ارضِ وطن کا دفاع کیجئے۔ قبل ازیں اربابِ سیاست کی محاذ آرائی نے کئی ماؤں کے لختِ جگر چھین لیے اور کئی معصوم بچے یتیم کر [redacted] چکے ہیں اور سینکڑوں سہاگ اُجڑ چکے ہیں۔ دین سے منحرف سیاست نے دو عظیم جنگوں کو جنم دیا اور اگر آئندہ بھی سیاست کو حکومت نے مذہب اور اخلاقیات کا پابند نہ کیا تو چنگیزیت کا یہ عفریت بدستور ننگا ناچ ناچتا رہے گا۔ اس لادین سیاست کا تذکرہ الحفیظ، الحفیظ سیاستدانوں کا فلسفۂ سیاست الامان، الامان۔ قصہ مختصر، کیا ہم ماضی قریب کے جامعہ حفصہ کے سانحے کو بھول جائیں گے، جب پیرانِ سیاست نے نہتے معصوموں کو اُن کے اپنے ہی لہو میں نہلا دیا اور خود بھی چند ٹکوں کے عوض بک گئے تھے۔ آج سیاستدانوں کے اشاروں پر ہونے والے شہداء کے لہو کی بوندیں پکار پکار کر فریاد کر رہی ہیں کہ وطن عزیز کے باسیو! اپنی متاعِ عزیز کو اس سیاست کی نظر نہ کرو۔ ان سیاستدانوں کی متابعت نہ کرو کہ یہ دین وملت، عہدو پیماں، آئین قرآں، اپنے ایمان اور ضمیر کو بیچنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

خالی ہے صداقت سے سیاست، تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت، تو اِسی سے

❁❁❁

❁ "ستر" اور "حجاب" میں کیا فرق ہے؟
❁ قرآن کریم کی رو سے محرم اور نامحرم کا مفہوم
❁ ستر وحجاب میں تدریج کا فطری قانون

یہ سب اور دورِ حاضر میں پردے کے اسلامی احکام سے آگاہی
اور نام نہاد علماء کے پردے کے حوالے سے نت نئے دلائل پر
قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل جوابات کے لیے مطالعہ کریں:

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** حفظہ اللہ
کے دو اہم اور معرکۃ الآرا خطابات پر مشتمل کتابچہ

قرآن اور پردہ

☆ معیاری کمپوزنگ ☆ عمدہ طباعت ☆ صفحات: 57 ☆ سفید کاغذ
شائع کردہ: شیخ عابد حسین، موبائل: 0302-4447676

یہ کتابچہ درج ذیل مقامات سے رعایتی قیمت 30 روپے میں دستیاب ہے

ملنے کے پتے

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ **15** / تا **21** / مارچ **2009**ء
بمقام مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور میں **ہفت روزہ**

ملتزم تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں۔
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ:
042-6316638-6366638   0333-4311226

فحاشی و عریانی اور اختلاطِ مرد و زن

غلام حیدر مگھرانہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی۔ اس ملک میں اسلامی اقدار کا تحفظ حکومت اور عام شہریوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ عریانی و فحاشی ہماری نوجوان نسل کو تباہ کر رہی ہے۔ شہروں اور تفریح گاہوں میں بے پردہ خواتین اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی﴾ (آیت:33)

"اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔"

حضور اکرم ﷺ نے خواتین کے ضمن میں فرمایا ہے۔

"عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر میں ہو۔" (جامع ترمذی)

محولہ بالا ہدایات اسلام کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک اسلامی ملک میں مسلمان عورتوں کو زیب نہیں دیتا کہ نوجوانانِ ملت کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے وہ بن سنور کر اپنے گلوں میں دوپٹے ڈال کر بازاروں میں آزادانہ گھومیں، پھریں۔ سربراہانِ خاندان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی بہو بیٹیوں اور بیویوں کو صرف ضرورت کے تحت گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت دیں۔ حکومتِ وقت کا بھی یہ فرض ہے کہ میڈیا کی اصلاح کرے اور بلا تاخیر مخلوط نظامِ تعلیم کا خاتمہ کرے۔ یہ نظام اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کی مخلوط تعلیم نے یورپ اور امریکہ میں جو گل کھلائے ہیں اس کا اندازہ امریکہ کے ایک جج "لنڈسے" کے اس بیان سے ہوتا ہے:

"ہائی سکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔"

اس جج "لنڈسے" کا بیان ہے:

"اندازہ ہے کہ ہائی سکول کی کم از کم 45% لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہیں۔" (پردہ از مولانا مودودیؒ)

ایک مغربی خاتون مسز ڈون تھی ہال اپنے مضمون "عورتوں کی تعلیمی دقت" میں رقمطراز ہیں:

"یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مخلوط طریقہ تعلیم میں اگرچہ دعویٰ کتنا بھی کیا جائے، ان جذباتی دقتوں سے ازالہ نہیں ہوتا جو جوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں انہماک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگزیر ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ مطالعہ اور ضبطِ زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ بعض اوقات شاگرد اساتذہ سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔" (اسلام کا نظامِ عفت و عصمت از مولانا ظفر الدین)

امریکہ کے صدر ٹرومین کی میڈم نے "اخلاقی پستی" کے موضوع پر ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "یہ لڑکیاں نہ بازاری ہیں، نہ حسن فروش، پندرہ، بیس کی کم سن اور بھولی بھالی لڑکیاں ہیں۔ اکثر یونیورسٹی، کالج اور ہائی سکول کی طالبات ہیں۔ اس وقت حکومتِ امریکہ اور امریکن قوم کے سامنے نامعلوم باپ کے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اہم مسئلہ ہے۔ کنواری ماؤں کے ان بچوں کی تعداد گزشتہ سال سوا لاکھ سے زائد تھی۔ ان میں سے ایک لاکھ بچوں کی مائیں یونیورسٹی کی طالبات ہیں نیز تربیت و تعلیم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ ان بچوں کے باپ کالج ہی کے ہونہار طلبہ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ امریکہ میں تمام خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کو کامل آزادی دے رکھی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک نوجوان اپنی گھریلو زندگی میں محبت و شفقت سے محروم رہتی ہے، کالج میں قدم رکھتے ہی کسی طالب علم سے مل کر عشق و محبت کے تجربہ کا شکار ہو جاتی ہے۔" ("ہمائے حرم" کراچی، جمادی الاولیٰ 1429ھ)

دینِ اسلام عورت کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ مفسرین کے نزدیک عورت کے اذان دینے سے مردوں کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہے اس لیے عورت پر یہ پابندی لگائی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک عورت شوہر یا محرم کے بغیر سفرِ حج نہیں کر سکتی کیونکہ تنہا یا غیر محرم کے ساتھ جانے سے عورت کی ناموس خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ صنفِ نازک کے بارے میں اس قدر محتاط انداز اختیار کرنے والا دین ایک نوجوان لڑکی کو کیسے اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ غیر محرم نوجوان لڑکوں کے ساتھ آزادانہ گھومتی پھرے اور نیم عریاں لباس پہن کر یونیورسٹیوں کی کنٹینوں پر بیٹھ کر اپنے ہم جماعت لڑکوں سے گپیں لگاتے ہوئے جنسی جذبات کو تسکین فراہم کرے اور لوچ دار انداز میں گفتگو کرے۔ صاحب تفہیم القرآن سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ "جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچ دار اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مردوں کے سامنے بلا ضرورت آواز نکالنے سے روکتا ہے، کیا وہ کبھی اس کو پسند کرتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آ کر گائے، ناچے، تھرکے، بھاؤ بتائے اور ناز و نخرے دکھائے؟ کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے؟ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے، کہ عورتیں ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ ادا کریں؟ یا ہوائی میزبان (Air Hostess) بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کا دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟ یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟ یہ کلچر آخر کس قرآن سے برآمد کی گئی ہے؟ خدا کا نازل کردہ قرآن تو سب کے سامنے ہے۔ اس میں کہیں اس کلچر کی گنجائش نظر آتی ہو تو اس مقام کی نشاندہی کر دی جائے" (تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص 90)

اسلام نے عورت اور مرد کے میدانِ کار میں واضح فرق رکھا ہے۔ اگر ہم اس فرق کو ختم کر کے دونوں کو ایک سطح

پردے آئیں گے تو فطرت کا کوڑا ہم پر برسے گا اور ہمارا خاندانی نظام بھی یورپ کی طرح زمیں بوس ہو جائے گا۔

سورۃ النور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"آپ حکم دیجیے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں۔" (آیت:30)

پیر کرم شاہ الازہری تفسیر ضیاء القرآن میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ "شریعتِ اسلامیہ فقط گناہوں سے نہیں روکتی اور ان کے ارتکاب پر سزا نہیں دیتی بلکہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتی ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتی ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں، تاکہ جب گناہوں کی طرف لے جانے والا رستہ ہی بند ہوگا تو گناہوں کا ارتکاب آسان نہیں ہوگا۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذباتِ شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا، اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچالیں گے، بڑی نادانی ہے۔ اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا، جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں، بلکہ محض ریاکاری اور ملمع سازی ہے۔ (ضیاء القرآن از پیر کرم شاہ۔ ص 311,12 جلد سوئم)

شاہ بلیغ الدین اپنے ایک مضمون میں امریکہ اور شمالی امریکہ کے معاشرتی حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"یہاں خاندانی زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نہ ماں باپ اولاد پر رحم کھاتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کو بالغ ہونے کے بعد اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔ بہت سے خاندان ایسے ہیں جہاں باپ ہے تو ماں کا پتہ نہیں، ماں ہے تو باپ کا علم نہیں۔ ہر ایک مال و زر کا متوالا اور اپنی زندگی کے سوا کسی اور کے لیے ایثار اور ہمدردی کا جذبہ نہیں رکھتا۔ نشہ اور جنس دونوں برائیوں میں یہاں کے نوجوان بہت بڑی اکثریت میں مبتلا ہیں۔ جنسی جرائم یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نوعمروں کے لیے فوجداری اور تعزیری قوانین بڑے نرم ہیں۔ گھناؤنے جرائم پر بھی کم عمری کی وجہ سے انہیں معمولی سی پرسش کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں سب خودمختار ہیں۔ مذہب کا کوئی مقام نہیں۔ احتساب کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے یہ معاشرہ مادر پدر آزاد بن گیا ہے۔ نوجوانوں کی مخلوط تعلیم ان برائیوں کو ہوا دے رہی ہے۔" (اسلامی اقدار کے فروغ کی ضرورت، نوائے وقت 14 مئی 1999ء)

ہمیں فحاشی، عریانی اور اختلاط مرد و زن کے نقصانات کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم یورپ اور امریکہ کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی مادی ترقی کے پسِ پردہ ان کے تہذیب و ثقافت اور خاندانی نظام کو تباہ شدہ بنیادوں سے روحانی ترقی کا جنازہ نکلتا ہوا دیکھتے ہیں۔

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال آٹھ لاکھ خواتین زنا بالجبر کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر پندرہ سیکنڈ بعد ایک عورت کو بے آبرو کر دیا جاتا ہے۔ میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر لوئی برسٹو نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ جنسی تشدد کا شکار ہونے والی خواتین میں 21% کی عمر 17 سال سے بھی کم ہوتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بڑے بڑے بارونق شہروں کے پارکوں میں روزانہ پندرہ سے پچیس سال کی عمر کی خواتین کی برہنہ لاشیں پڑی ملتی ہیں۔" (نوائے وقت: 27 اپریل 1999)

اسلام نے صنفِ نازک کو چادر اور چار دیواری کے ذریعے تحفظ فراہم کیا۔ لیکن افسوس ہے دورِ حاضر کے اس معاشرے پر جس نے عورت کی عظمت کو تار تار کیا، حوا کی بیٹی کے پاؤں میں گھنگرو پہنائے، مخلوط نظام تعلیم کو رواج دے کر اسے تختۂ مشق بنایا اور انسانی حقوق کے نام پر اسے والدین اور شوہر سے بے وفائی پر مجبور کیا۔ کوئی ہے جو قرآن حکیم اور سیرت رسول ﷺ کا گہرائی سے مطالعہ کر کے ایسا نظام نافذ کرے جو حضرت فاطمہؓ کی ہم جنس کو اس کا اسلامی مقام دلائے؟ میرا یہ سوال صاحبانِ اقتدار، مذہبی تنظیموں اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے ہے۔

COME & READ

GO & LEAD

HIRA HIGH SCHOOL (Regd) LAHORE

An Educational Project Aimed to Promote The Divine Guidance Of Quran & Sunnah

We are striving hard for the Education & Grooming of
OUR FUTURE,
Preparing them to face the challenges of our time
under the Eternal Guidance of
OUR DEEN.

- Registered with Education department and recognized by Lahore Board.
- Separate Campuses for Boys & Girls
- Separate Classes for Hifz-e-Quran.
- Target oriented study plan.
- Extensive use of Audio Visual Aids.
- Co-Curricular & Extra Curricular activities.
- Moral Grooming observed through traits evaluations.
- Introduction of In-Class Activities helped by Practical performance, Demonstrations, Library Books and Informative documentaries.

EXCELLENT RESULTS
In Matric & Board Exams

Senior Boys Wing (Registered): Class 4 to Class 10

ادارہ تحفیظ القرآن: برائے طلبا و طالبات — الحاق شدہ

Girls Wing (Registered & Recognized): Play Group to Class 10

FOR FURTHER INFORMATION PLEASE CONTACT

Boys Campus:
152-DII, Model Town, Lahore.
Ph: 042 - 8563796
Mob: 0333-4642002

Girls Campus:
152-D, Model Town,
Lahore. Ph: 042 - 8505567
Mob: 0321-4213797

Email: info@hiraschool.com URL: www.hiraschool.com

شامتِ اعمالِ ما.....صورتِ نادر گرفت

اوریا مقبول جان

مشہد اور دلی میں دو مقبرے ایسے ہیں جن کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے کتنی دیر تاریخ کی وادیوں میں عروج وزوال کی داستانوں کو یاد کیا، حکمرانوں کے طاؤس و رباب کے قصے آنکھوں کے سامنے گھومے، دربار کی سیاسی شعبدہ بازیاں یاد آئیں اور پھر ان سیاسی گروہ بندیوں میں الجھے ہوئے حکمرانوں پر عذاب کی طرح نازل ہوتے ہوئے فوجیوں کے جتھے، چوراہوں، گلیوں اور گھروں میں قتل ہوتے ہوئے مرد وزن، مال غنیمت میں ہانکی جانے والی نوجوان عورتیں اور غلام بنا کر لے جائے جاتے ہوئے بچے میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ تاریخ کی اس بدمست کہانی میں پاؤں تلے روندے جانے والے عام لوگ تھے جو اس ساری کشمکش سے کوسوں دور اپنی زندگی کے ایام گزارنے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ دلی میں اگر آپ نظام الدین اولیاؒ کے مزار کی طرف جائیں تو ایک چھوٹی سی گلی سے آپ کو گزرنا پڑتا ہے، جس کے آغاز میں اردو کے مشہور شاعر غالب کا مزار عالم حسرت و یاس میں بند دروازوں میں مقید ہے۔ گلی کے دونوں جانب پھولوں، چادروں، ہاروں اور کھانے کی دکانیں ہیں اور یہ پیچ در پیچ گلی مزار کے دروازے پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ دروازے کے باہر ایک صحن میں امیر خسرو محو استراحت ہیں لیکن جیسے ہی دروازے سے نظام الدین اولیاؒ کے مزار میں داخل ہوں تو سنگ مرمر کی مغلیہ طرز کی جالیوں سے بنے ایک احاطے میں ایک ایسے حکمران کی قبر ہے جو برصغیر میں اپنی عیش و عشرت اور فحاشی و عریانی کی سرپرستی کی وجہ سے رنگیلا کے لقب سے مشہور ہے۔ وہ طوائفوں کے جلو میں دربار میں آتا اور مے نوشی میں غرق رہتا۔ اگر اس کا دل چاہتا تو کپڑوں کے بغیر دربار میں داخل ہوتا۔ اسے اپنے گھوڑوں سے بہت پیار تھا اور اس نے اپنے ایک پسندیدہ ترین گھوڑے کو وزیر کا درجہ عطا کیا، اسے ویسا ہی لباس پہنوایا اور وہ تمام وزراء کے ہمراہ ایک وزیر کی حیثیت سے مسند نشین ہوتا۔ رنگیلا جس کا پورا نام روشن اختر ناصر الدین محمد شاہ تھا، 1702ء میں خجستہ اختر جہاں شاہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل دربار میں سیاست کی بساط دو بھائیوں کے ہاتھ میں تھی، جنہیں تاریخ سید برادران کے نام سے یاد کرتی ہے۔ انہیں تاریخ دان بادشاہ گروں کے نام سے جانتے ہیں جو حکومتیں بناتے اور بگاڑتے تھے۔ جس مغل بادشاہ کو چاہتے کامیاب قرار دے کر اس کے سر پر حکومت کا تاج منتقل کر دیتے اور جسے چاہتے مغل سلطنت کے مستقبل کے لئے خطرہ قرار دے کر تخت سے برطرف کروا دیتے۔ فرخ سیر انہی کی ریشہ دوانیوں اور درباری سازشوں سے بادشاہ بنا۔ سید برادران جن کا نام عبداللہ خان اور حسین علی خان تھا، اپنے خاندان کی فوجی خدمات کی وجہ سے حکومتوں کی آنکھوں کا تارا بنے رہے۔ وہ مغل شہزادوں کی آپس میں اقتدار کی جنگ سے کھیلتے اور جسے چاہتے اقتدار کی مسند بخشنے میں مدد کرتے۔ فرخ سیر نے جب اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تو ان میں سے ایک بھائی حسین علی نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت میں دیگر صوبوں کو اس کے خلاف ابھارنے لگا۔ جنگیں شروع ہوئیں، یہاں تک کہ تخت لاہور بھی اس کے ہاتھ سے جاتا رہا تو اس نے خودکشی کا ارادہ کیا لیکن فرخ سیر کی ماں نے دونوں بھائیوں کو بڑے عاجزانہ خط لکھنے کو کہا اور خود حسین علی کے پاس جا پہنچی۔ یوں اسے منانے کے بعد فرخ سیر کی بادشاہت مستحکم ہو گئی۔ لیکن اس کشمکش میں مغلیہ سلطنت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ چاروں جانب سے مرہٹے اور جاٹ اس پر چڑھ دوڑے۔ سید برادران نے مرہٹوں کے ساتھ معاہدے کئے، تا کہ فرخ سیر کی حکومت بچایا جاسکے۔ اور پھر اس معاہدے کو دلی دربار میں رسمی منظوری کے لئے بھیجا۔ فرخ سیر نے اس معاہدے کو اپنے اختیارات میں کمی تصور کیا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ اب وہ گھمسان کا رن پڑا، وہ سیاسی داؤ پیچ چلے، وہ محلاتی سازشیں ہوئیں، کئی ماہ مذاکرات ہوتے رہے، کبھی مرہٹوں کو اختیار دیا جاتا اور کبھی معاہدے سے منحرف ہو کر چھین لیا جاتا اور پھر ایک دن افواہوں کے اس گرم بازار میں پہلے یہ خبر اڑائی گئی کہ سید برادران قتل ہو گئے اور پھر خبر گرم کی گئی کہ مراٹھا سپاہی دلی پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ یوں دلی کے عوام کو سڑکوں پر نکل کر فوج سے لڑنے کا مشورہ دیا۔ عوام فوج سے گتھم گتھا ہو گئے۔ مراٹھا سپاہی پندرہ سو لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اب سید برادران آخری فیصلہ کرنے میں دیر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ دلی سے چالیس میل دور اجے سنگھ پڑاؤ ڈال چکا تھا اور مرہٹے سید برادران کی حمایت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ فرخ شاہ کو گھسیٹ کر حرم سے باہر لایا گیا اور اندھا کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ محمد شاہ رنگیلا اس وقت قید خانے میں بڑا اذیت کے دن گزار رہا تھا۔ سید برادران نے فوج کی مدد سے اسے قید خانے سے نکالا۔ اپنی پوری سیاسی اور فوجی مدد فراہم کی اور دلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اب سید برادران بہت سی توقعات رکھتے تھے۔ انہوں نے فرخ سیر کو اتارا تھا۔ وہ اس کی باقیات کو دربار میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی اس وزیر کے خلاف محاذ بناتے اور کبھی دوسرے۔ لیکن محمد شاہ رنگیلا تو عجیب و غریب آدمی تھا۔ اس نے فرخ سیر کے مقربین مراد کشمیری، امین الدین سنبھلی، غازی الدین احمد بیگ اور میر جملہ وغیرہ کو ان کے کہنے پر عہدوں سے تو ہٹا دیا لیکن تمام مراعات اور جائیدادیں قائم رکھیں اور پھر آہستہ آہستہ ان سب کو واپس لانے لگا۔ دوسری جانب اس نے جن جن صوبوں میں سید برادران کا اثر ورسوخ تھا وہاں یہ تاثر دیا کہ اب یہ بادشاہ کی سرپرستی میں نہیں رہے۔ یوں وہ کبھی آگرہ اور کبھی الہ آباد سے نکلے تو کہیں اجیت سنگھ اور اجے سنگھ سے ان کی لڑائی ہوئی۔ پوری مغلیہ سلطنت ایک ایسی سیاسی کشمکش اور جنگ کا شکار ہو گئی جس میں کسی کو کچھ خبر نہ ہوتی کہ کون کل معزول ہو جائے اور کون عہدے پر سرفراز اور تخت پر بیٹھے۔ محمد شاہ رنگیلا ان ریشہ دوانیوں سے لطف اندوز ہوتا، شراب پیتا، عریاں رقص دیکھتا، برہنہ عورتوں سے ٹیک لگا کر دربار میں جلوہ افروز ہوتا۔

دوسرا مزار مشہد میں امام رضاؒ کے مقبرے سے تھوڑی دور ایک سنگلاخ سی عمارت کی صورت میں ہے۔ اس کی چھت پر اچھلتے ہوئے گھوڑے پر سوار اس کا مجسمہ ہے اور دروازے پر ایک بڑی سی توپ نصب ہے۔ مزار کی سختی اور ہیبت اس کے کردار کی طرح کھردری محسوس ہوتی ہے۔ اس مزار میں بھی نادر شاہ خاموش، تنہا عالم ویرانی میں منوں

مٹی تلے پڑا ہے۔ وہ خراسان کے خانہ بدوش افشار قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن میں یتیم ہوگیا۔ اسے اور اس کی ماں کو غلام بنا لیا گیا مگر وہ بھاگ نکلا اور پھر افشار قبیلے کے سرداروں کی مدد سے ایک قابل ترین فوجی جرنیل بن گیا۔ اس نے اردگرد کی تنزلی کا شکار حکومتوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور پھر صفوی بادشاہ عباس سوئم کو اتار کر 8 مارچ 1736ء میں شاہ ایران کا لقب اختیار کرتے ہوئے تخت پر جا بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دلی پر محمد شاہ رنگیلا حسن و طرب اور عیش و عشرت میں مگن تھا اور سید برادران اور شاہ کے حواری سیاسی کشمکش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ پوری مملکت پر ہر جگہ علیحدہ حکومتیں قائم ہو چکیں تھیں۔ یوں نادر شاہ دندناتا ہوا دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوا۔ کرنال میں فروری 1739ء میں آخری بڑی لڑائی ہوئی۔ جب یہ لڑائی لڑی جا رہی تھی تو محمد شاہ رقص و سرود کے مزے لے رہا تھا اور درباری سیاسی چالوں میں مصروف تھے۔ عین اس عالم مصروفیت میں نادر شاہ دلی میں اپنی فوج کے ساتھ داخل ہو گیا۔ وہ لوگ جو افواہوں سے سیاست کی بساط الٹتے اور بچھاتے تھے، انہوں نے لوگوں کو حوصلہ دینے کے لئے افواہ اڑائی نادر شاہ مارا گیا۔ بے وقوف عوام نے چوک میں کھڑے نادر شاہ کے چند سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، ہندوستان کی تاریخ کا دردناک اور عبرتناک قتل عام ہوا۔ تیس ہزار لوگ تلواروں کے نیچے ذبح کر دیئے گئے۔ خوبصورت عورتیں اکٹھی کی گئیں اور لونڈیاں بنالی گئیں اور ہزاروں نوجوان غلام، محمد شاہ رنگیلا نشے میں جھومتا نادر شاہ کے پاؤں پر گر کر رحم طلب کرنے لگا اور شاہی خزانے کی چابیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ تخت طاؤس، کوہ نور اور دریائے نور ہیروں سمیت سب مال و متاع کئی ہزار ہاتھیوں، اونٹوں اور گھوڑوں کی پیٹھ پر لادا گیا۔ یہ خزانہ اتنا تھا کہ واپس پہنچ کر نادر شاہ نے ایران پر تین سال کے لئے کوئی ٹیکس نہ لگایا۔ نادر شاہ کوچ کر گیا اور دلی کے عوام جو اس تعیش پسند حکمران اور سید برادران کی سیاسی کشمکش میں لٹ چکے تھے، اپنا سب کچھ کھو چکے تھے بس جہاں بیٹھتے، جدھر بیٹھتے ایک ہی محاورہ دہراتے ''شامت اعمال ما، صورت نادر گرفت'' (ہمارے اعمال کی شامت آئی جو نادر شاہ کی گرفت آ گئی)۔ جہاں عوام ایسی تعیش پسندی اور ایسی سیاسی کشمکش پر خاموش تماشائی بن جائیں اور دربار کے کھیل کو تماشہ بین کی طرح ہوتے دیکھتے رہیں اور حکمران سیاست کے اتار چڑھاؤ میں مست اور عیش و عشرت کی وادیوں میں گم رہیں تو وہاں کوئی نہ کوئی نادر شاہ ضرور آ نکلتا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

بقیہ: اداریہ

تیل کی قیمتوں میں انتہائی کمی سے انہیں سنہری موقع ملا تھا کہ عوام کو ریلیف پہنچا کر قومی سطح پر ہیرو بن کر ابھرتے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی جڑیں پہلے ہی عوام میں موجود تھیں، ان کے یہ اقدامات انہیں سیاسی لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دیتے۔ لیکن افسوس ان میں سے کوئی کام بھی نہ ہو سکا۔ ہم یہاں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف آصف علی زرداری کا نہیں بلکہ ہماری تمام سیاسی قیادت انیس بیس کے فرق سے اسی نوعیت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ یہ قحط الرجال کیوں ہے۔ سرزمین پاکستان بانجھ کیوں ثابت ہوئی ہے۔ تعمیر کردار کیوں نہ ہو سکی۔ قومی اور قیادت کی سطح پر قول و فعل کا اتنا واضح تضاد کیوں ہے۔

آج سے پورے چالیس سال پہلے جب ابھی تنظیم اسلامی وجود میں بھی نہ آئی تھی، بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے میثاق کے ایک اداریے میں اس کی وجوہات کو بہترین انداز میں الفاظ کا لبادہ پہنایا ہے:

''ایک طرف تو نہ پاکستان کے قیام کے لیے کوئی وجہ جواز مذہب کے سوا موجود ہے اور نہ ہماری قومیت کے لیے کوئی اساس دین کے سوا کسی چیز کو قرار دینا ممکن ہے۔ گویا کہ نظری اعتبار سے تو ہماری قومیت بھی صرف اور صرف اسلام ہے اور ہمارا وطن (اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے) بھی صرف اور صرف اسلام ہے لیکن دوسری طرف عملاً صورت حال یہ ہے کہ یہی چیزیں یہاں کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم کے حکم میں آ گئی ہیں۔ اس لیے کہ قیام پاکستان کے وقت تو پھر بھی چاہے ایک جذباتی اور سطحی سی نوعیت ہی کا سہی بہرحال ایک ''جذبہ ملی'' ہمارے یہاں موجود تھا' لیکن بعد میں نہ صرف یہ کہ اسے غذا نہیں ملی' بلکہ رفتہ رفتہ ان جڑوں ہی کو کھود ڈالا گیا جو اسے امکانی طور پر پہنچ سکتی تھیں۔ نتیجتاً اس وقت ہم بحیثیت قوم فضا میں معلق ہیں اور باوجود اس کے کہ ہمارے نیچے ایک ایسا خطہ زمین موجود ہے جسے دنیا پاکستان کے نام سے جانتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہماری قومیت کی کوئی بنیاد بالفعل موجود نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ قومی و ملی کردار اور سیاسی و اجتماعی شعور بہرحال کسی تصور قومیت ہی کی اساس پر وجود میں آ سکتے ہیں اور کسی ملک کے رہنے والوں میں فکر کی کوئی ہم آہنگی' سوچ کی یکسانیت اور مقاصد کی یک جہتی کسی مشترک قومی جذبے ہی کی بنیاد پر پیدا ہو سکتی ہے' بلکہ خود انفرادی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر کا انحصار بھی بہت حد تک اس اجتماعی شعور ہی پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں' اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

تو بحالات موجودہ ہمارے اندر کوئی روح بیدار ہو تو کیسے؟ ہمارے قومی کردار کی تعمیر ہو تو کس طرح اور ملک و ملت کے لیے قربانی اور ایثار کا جذبہ پروان چڑھے تو کس بنیاد پر؟ یہی اصل سبب ہے اس کا کہ نہ ہمارے اندر کوئی اجتماعی شعور بیدار ہوا نہ کوئی قومی نقطہ نظر پیدا ہو سکا' نہ کوئی قومی تنظیم وجود میں آ سکی نہ کوئی قومی قیادت ابھر سکی۔ نتیجتاً ناکامیوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ پہلے اہل سیاست ناکام ہوئے' پھر بیوروکریسی فیل ہوئی اور آخر کار فوج کی ناکامی کی صورت میں ہمارے قومی وقار کو وہ دھچکا لگا جس کی یاد نسلوں تک باقی رہے گی اور جس کی تلافی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب اور کس صورت میں ممکن ہو سکے گی!''

آصف علی زرداری کیا ہیں، ہم اپنے گریباں میں اگر جھانکیں تو اکثریت کو ایک زرداری وہاں نظر آئے گا۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ساری قوم اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ جب چہرہ اتنا بگڑ جائے تو اپنا چہرہ بھی پہچانا نہیں جاتا۔ OO

ضرورت رشتہ

☆ لاہور کی رہائشی فیملی کو اپنے برسر روزگار بیٹے کے لیے دراز قد، خوبصورت و خوب سیرت، پردہ کی پابند، تعلیم یافتہ بیٹی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0300-9496699

☆ اسلام آباد میں رہائش پذیر کشمیری فیملی کو اپنی 31 سالہ بیٹی، تعلیم بی اے کے لئے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 042-5833791-5839554

☆ ایک خوب رو نوجوان، تعلیم ایم ایس سی اپلائیڈ فزکس اور ایم ایس سی الیکٹرانکس، عمر 29 سال کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0301-2210070

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں حیدر آباد کی دعوتی سرگرمیاں

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید 8 جنوری 2009ء کو عمومی دورے پر حیدر آباد تشریف لائے۔ بعد نماز عشاء انہوں نے سٹیزن کالونی کی جامع مسجد میں درسِ قرآن دیا۔ اگلے روز مسجد لطیف آباد نمبر-8 میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ امیر محترم کے خطاب کا محور سورۃ الحج کی آیات 78-77 رہیں، جن میں اہلِ ایمان پر واضح کیا گیا ہے کہ دینی تقاضے کون سے ہیں کہ جن کو پورا کرنے کی جدّوجہد ناگزیر ہے۔ امیر محترم نے وضاحت فرمائی کہ مسلمانوں پر جو دینی تقاضے عائد ہوتے ہیں، وہ ارکان اسلام کی پابندی' اللہ کی کامل بندگی' خدمت خلق اور جہادِ مسلسل ہیں۔ مومن کی زندگی مسلسل جہاد ہے۔ جہاد کا آغاز نفس کے خلاف جدوجہد سے ہوتا ہے جو اللہ کی بندگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پھر یہ جہاد منزل بہ منزل اللہ کے دین کی تبلیغ سے ہوتا ہوا، اقامت دین کی جدوجہد کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کے لیے اگر ضرورت پڑے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا بھی ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں دین کی دیگر اصطلاحات کی طرح جہاد کو بھی صرف قتال تک محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے قتال کی اصطلاح آئی ہے اور یہ ہر وقت نہیں ہوتا، جبکہ جہاد تو ہر وقت ہوتا ہے اور اس جہاد کا آغاز تو مومن کی زندگی میں اللہ کی بندگی کے راستے میں پہلے قدم سے ہی ہو جاتا ہے۔

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں حیدر آباد کے زیرِ اہتمام ماہ جنوری میں "ہفتہ توبہ" منایا گیا۔ اس سلسلہ میں تنظیم اسلامی قاسم آباد اور تنظیم اسلامی لطیف آباد کے رفقاء نے شہر کی اہم شاہراؤں پر ریلی نکالی۔ شہر کے اہم مقامات پر عوام الناس کی آگاہی کے لئے کارز میٹنگز کیں اور ان میں ہزاروں کی تعداد میں ہینڈ بلز تقسیم کیے اور بڑی تعداد میں بینرز لگائے گئے، تاکہ لوگوں میں اس بات کا شعور اجاگر ہو کہ ہم نے اللہ ربّ العزت کی حکمرانی کی بجائے غیر اللہ کی حکمرانی قبول کرنا کتنا بڑا جرم ہے، اور وہ غیر اللہ کی حکمرانی کے نظام سے برأت کریں۔

حلقہ سندھ حیدر آباد کے زیرِ اہتمام منائے جانے والے اس ہفتۂ منادیٔ توبہ کے پہلے اور آخری دن رفقاء و احباب نے حیدر آباد پریس کلب کے سامنے خاموش احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔ شرکاء نے پلے کارڈز اُٹھائے ہوئے تھے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ وطنِ عزیز نفاذ اسلام کے جس عظیم مقصد کے تحت حاصل کیا گیا تھا اسے پورا کیا جائے، نظام خلافت یعنی حکومتِ الٰہیہ کی تشکیل کی جائے، سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے۔ امیر حلقہ سندھ زیریں شفیع محمد لاکھو نے اس موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہماری زبوں حالی کا علاج یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر سچی توبہ کرتے ہوئے نظام عدل وقسط کو نافذ کرنے کی سعی کریں تاکہ پاکستان ایک مثالی اسلامی ریاست میں ڈھل سکے اور ہماری انتظامیہ ہو یا عدلیہ ہر جگہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا قانون بالا دست ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو امید ہے کہ ہم اللہ کے کسی بڑے عذاب سے بچ جائیں گے۔

منفرد اُسرہ نوابشاہ نے بھی "ہفتہ منادیٔ توبہ" کے سلسلہ میں ایک ریلی نکالی جس میں رُفقاء و احباب کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ یہ ریلی پریس کلب نواب شاہ میں اختتام پذیر ہوئی۔ اس موقع پر امیر حلقہ سندھ زیریں شفیع محمد لاکھو نے خطاب کرتے ہوئے اُمت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ہم سب اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر اللہ کی بارگاہ میں صدقِ دل سے توبہ کریں، قبل اس کے کہ اللہ کے غضب کا کوڑا ہم پر برس پڑے اور ہمارے پاس کوئی جائے امان نہ ہو۔ (رپورٹ: علی اصغر عباسی)

حلقہ تنظیم اسلامی بہاولنگر و بہاولپور کے زیر اہتمام مظاہرہ

تنظیم اسلامی بہاولپور کے زیر اہتمام ایک پُر امن احتجاجی مظاہرہ ہوا، جس میں تنظیم اسلامی کے ذیلی مرکز کے نقباء اور رفقاء نے شرکت کی۔ مظاہرہ فرید گیٹ پر کیا گیا جہاں دن رات لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ مظاہرے کے شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے، جن پر مختلف عبارتیں درج تھیں۔

1۔ تنظیم اسلامی کا پیغام: نظام خلافت کا قیام
2۔ اللہ نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہری ہو یا چھپی ہوئی۔ (القرآن)
3۔ اے ایمان والو تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو، تاکہ تم نجات پاؤ۔ (القرآن)
4۔ کھلے بندوں عریانی اس ملک کے بنیادی نظریہ کے خلاف سازش ہے۔
5۔ عورت چراغ خانہ ہے، اسے شمع محفل نہ بناؤ۔
6۔ دجالیت کا آخری فتنہ، فتنۃ النساء۔ اے پاکستانی اس سے اپنے ملک کو بچا

مقررین نے اپنی گفتگو میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دین میں جہاں انسان کے لیے دنیاوی اور اخروی فلاح ہے، وہیں اس سے روگردانی دنیا اور آخرت میں ذلت و رسوائی کا باعث بھی ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمیں معاشرے کو مستحکم کرنے کے احکامات عطا کیے۔ مرد اور عورت کے حقوق و فرائض متعین کیے۔ دونوں کا الگ الگ دائرہ کار مقرر کیا۔ اللہ نے مرد کو غیرت بخشی، عورت کو باحیا بنایا۔ لیکن آج مرد کی غیرت اور عورت کی حیاء کو ختم کرنے کی گھناؤنی سازشیں عروج پر ہیں۔ مقررین نے کہا کہ آج مغربی تہذیب کے زیر اثر خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی اپنے خاندانی نظام کو تباہ کرنے اور روشن خیالی کے شوق میں بے حیائی اور بے حمیتی کو فروغ دینے پر تلے ہوئے ہیں، جبکہ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ بے حیائی، بد خلقی اور بد زبانی اسلام میں ذرا بھی روا نہیں ہے۔ اور بہترین اسلام اس کا ہے جو اچھے اخلاق والا ہے۔

مقررین نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ ایک سازش کے تحت الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے نوجوانوں کے اخلاق و کردار کو تباہ کیا جا رہا ہے، بے حیائی کو پھیلایا جا رہا ہے اور NGO,s کے ذریعے ہماری معاشرتی اقدار کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اب اب بھی وقت آ گیا ہے کہ ہم جاگیں اور دشمنانِ ایمان و دین کے حربوں کو ناکام بنائیں۔

احتجاج ختم ہونے کے بعد امیر ذیلی مرکز تنظیم اسلامی بہاولپور جناب غلام حیدر مکھرانہ نے دُعا کروائی اور دُعا کے بعد تمام لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ (رپورٹ: سیف الرحمٰن)

تنظیم اسلامی بہاولپور کا ماہانہ تربیتی اجتماع

25 جنوری 2009 کو تنظیم اسلامی بہاولنگر بہاولپور کے زیر اہتمام ماہانہ تربیتی اجتماع ہوا، جس میں امیر حلقہ کے علاوہ حلقہ کے نقباء اور رفقاء نے شرکت کی۔ شرکاء کی مجموعی تعداد تقریباً 35 تھی۔ پروگرام کا آغاز مقامی امیر غلام حیدر مکھرانہ نے کیا۔ بعدازاں میجر محمد انور نے قرآنِ پاک کی سورۃ آل عمران کی آیات 132 تا 138 کی تلاوت کی اور ترجمہ پیش کیا۔ بعدازاں قاری عبدالقیوم چشتی نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں فکرِ آخرت پر درس دیا۔ غلام حیدر مکھرانہ نے رفقاء تنظیم اسلامی کے اوصاف بیان کیے اور ان اوصاف کو اپنانے کی طرف توجہ دلائی۔ امیر حلقہ جناب منیر احمد نے سورۃ الانفطار کی آیات کی روشنی میں جامع درس دیا۔ درسِ قرآن کے بعد تمام مہمانوں کی چائے بسکٹ سے تواضع کی گئی۔ پروگرام کے اختتام پر تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ (رپورٹ: سیف الرحمٰن)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ 29/مارچ تا 4/اپریل 2009ء

بمقام مرکز تنظیم اسلامی حلقہ بالائی سندھ، B-3، پروفیسرز ہاؤسنگ سوسائٹی شکار پور روڈ، سکھر میں

ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں۔

برائے رابطہ (سکھر): 071-5631074

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت رابطہ: 042-6316638-6366638
0333-4311226